# رُوحِ اَدَب

جوشؔ ملیح آبادی

مکتبہ اُردُو لاہور

طبع اول سنہ ۱۹۲۰ء

طبع ثانی سنہ ۱۹۴۲ء

تعداد گیارہ سو

قیمت عہ/

[illegible]

# فہرس



## نظمیں

## محسوسات

# لسان العصر خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر جج الہ آبادی کی رائے

مصوّرِ جذبات شبیر حسن خاں جوش رئیس زادے ہیں، شرافت اور وضعداری کے نشان اُن میں بہت نمایاں ہیں۔ حقائق عالم اور معرفت باری تعالیٰ میں اُن کے اشعار نہایت بلیغ و دلآویز ہوتے ہیں اور یہ انکا فطرتی جوہر ہے۔

آپ کی نثر بھی خوب ہے، کیوں نہو، آپ اہلِ دل بھی ہیں، اہل زبان بھی، میری خوش نصیبی ہوگی کہ میرے بعد آپ ایسے یاد کرنے والے باقی رہیں۔ آپ کا شعر ؎

فنا ہو جا جھلک اُٹھے گا سینہ شمع عرفاں سے
ابھی تو دل کے آئینہ پہ غافل داغ ہستی ہے

عجیب شعر ہے "داغ ہستی" کے متعلق بہت کچھ خیالات ذہن میں ہیں جنہیں لکھ نہیں سکتا۔ اس شعر نے روح کو تازہ کر دیا۔

اِس وقت آپ کی طبیعت کا جو رنگ ہے اُس پر ایک ازلی پَرتو پڑ رہا ہے جس کے لئے صرف شعر ہی کافی نہیں، آپ کو اپنی قدر کرنا چاہئے، آپ بہت کچھ ہو سکتے ہیں، کوشش کیجئے کہ نماز میں لذت ملے۔ اور علم باطن حاصل کیجے۔

یہ پُر جوش طبیعت ہونہار ہے۔ نثر میں ندرت تشبیہات سے آپ کے ذہن کی قوت ظاہر ہوتی ہے خدا مبارک کرے۔ کاش کسی وقت میں آپ اور اقبال یکجا ہوتے۔

آپ کی صحبت روحانی غذا ہے۔ عبرت، معرفت، بیخودی، جوشِ روحانی سے آپ کے اشعار لبریز رہتے ہیں۔ آپ نے چشمِ بد دُور عمدہ طرزِ بیان پایا ہے، اسی سوسائٹی میں رہ کر ایسے خیالاتِ عالی حیرت افزا ہیں۔

مجھے آپ سے روحانی محبت ہے۔ آپ کے تصوّر سے دل کو فرحت ہوتی ہے۔ خدا آپ کو زندہ اور بزمِ معنی کو آپ کی ذات سے روشن رکھے۔

اکبر

از الہ آباد

# تبصرہ

## از زمیں تا بہ آسماں سخن است

عالم کے نامحدود جلوے کسی فصل کسی دور کے محتاج نہیں صرف معرفت سے بھرا ہوا دل اور حقیقت نگر آنکھیں درکار ہیں ہستی کے وہ جوہر لطیف قدرت کے وہ رنگین لطیفے جنہیں عام نگاہیں نہیں دیکھ سکتیں فطری شاعر اُنہیں صرف دیکھتا ہی نہیں بلکہ اُن سے گفتگو کرتا ہے اور اُن سے محو راز و نیاز ہو جاتا ہے۔

آج اُن تمام جواہر و لطائف سے لبریز ایک نظم و نثر کا مجموعہ سبدِ گل کی طرح میرے سامنے ہے جس کے تازہ پھولوں کی شمیم اطراف عالم میں پھیل چکی ہے۔ یہ مجموعہ تیار ہونے سے پہلے ہی اپنی دلفریبی کے نقشے میرے دل کے ایوان میں آویزاں کر چکا تھا۔

یہ تصنیف ایک ایسے خاندانی رئیس کی کوششوں کا نتیجہ ہے جس کے اوصاف لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی کی گرانقدر تحریر سے ظاہر ہیں، کچھ کیفیت میرے مکرّم دوست منشی رفیع احمد خاں ایم اے نے حوالہ قلم کی ہے اور سچ پوچھیے تو اس تصنیف کا حق ادا کیا ہے۔

آپ کے کلام میں جو رنگینیاں جو بلند ہونے والے سچے جذبات بمثل استعاروں اور نازک تشبیہوں کے باریک پردوں میں چھپائے گئے ہیں وہ سب کے سب انسانی فطرت کو پابندیوں کی طرف ہدایت کرنے والے اور روحانیت میں جان ڈال دینے والے ہیں

ایسی حکیمانہ اور عارفانہ شاعری اور اُس میں اس قدر خوبیاں محض آپ کی خداداد طبیعت کا نتیجہ ہے

آپ کی شاعری مصوری کا جذبۂ اتم بھی اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ اس کا ثبوت بعض مضامین کی وہ نظر فریب رنگین تصویریں ہیں جو بہت اہتمام سے تیار کرائی گئی ہیں اور اس بات کا نمونہ بنائی گئی ہیں کہ دیکھو ہماری اُردو شاعری اس صورت سے بھی ترقی کے مدارج قبول کر سکتی ہے اور یہ تصویریں ہماری شاعرانہ ترقی کے لئے دراصل نئے قسم کے ترشے ہوئے نادرین زینے ہیں جنہیں طے کرنے کے بعد انسانی دماغ وہاں پہنچ سکتا ہے جہاں آفتاب و ماہتاب کی قندیلیں روشن ہیں اور جہاں کی معنویت بیان میں آہی نہیں سکتی۔ مصورِ جذبات حضرت جوشؔ کا یہ سن وسال اور یہ حقائق و معارف!! یہ بات ایسی ہے کہ دنگ ہو جانا پڑتا ہے اور حضرت اکبرؔ کے اس قول کی تائید کرنا پڑتی ہے کہ "آپ اہلِ دل بھی ہیں اہل زبان بھی"

راقم حضرت جوشؔ کا ایک قدیم نیاز مند

شررؔ لکھنوی

# باز گلبانگِ پریشاں می زنم

میرے کلام کا مجموعہ سب سے پہلا مجموعہ بہت خوبصورت رنگین اور دو تصویروں کے ساتھ ۱۹۲۔ء میں [illegible] آباد سے شائع ہوا تھا۔ یہ مجموعہ ان بیتے ہوئے دنوں کی سادہ و رنگین یادگار ہے جو اب کبھی واپس نہیں آسکتے۔ اس کتاب میں میرا موسم بہار سانس لے رہا ہے۔ اور میری [illegible] جوانی [illegible] ہے [illegible] تسلیم ہیں کہ [illegible] ایک [illegible] کچھ اور تھا ——— میں نے اس دیباچے کی تحریر کے وقت بھی میں اپنے موسم بہار کے اختتام کو [illegible] عنوان شباب کی [illegible] وقت خزاں میں [illegible] والی حرارت اور جذبات ہیں جو عشرت و شگفتگی [illegible] ہوتی ہے اور نقص میں [illegible] اس کتاب میں [illegible] جو ایک [illegible] ہوتی ہے اور ان کے لطیف امتزاج سے [illegible] اس کی [illegible] بات ہے اگر کہیں کوئی اس پر [illegible] غیر معمولی [illegible] بھی کچھ [illegible] ہے۔ اس کتاب میں [illegible] کی عمر سے لے کر ۱۹۳۔ء تک کا کلام ہے ——— میں نے نو برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ شعر کہنا [illegible] شروع کر دیا تھا۔ یہ بات میں نے [illegible] کیونکہ کسی انسان کی مثال نہیں کہ وہ خود سے شعر کہنے لگے [illegible] میں کہا نہیں جاتا۔ [illegible] ——— [illegible] اختیار کر سکتا ہے [illegible] کہ نو برس کی عمر سے شعر نے مجھ سے اپنے کو کہلوانا شروع کر دیا تھا ——— [illegible] ٹھیک [illegible] اور گڑیاں کھیلتے تھے اس وقت کسی [illegible] گوشے میں شعر مجھ سے اپنے کو کہلوایا کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ [illegible] اور گڑیاں وغیرہ کھیلنے کے فن سے میں اب تک ناواقف ہوں ——— شاعری سے جب فرصت پاتا تھا تو میرا محبوب ترین مشغلہ یہ تھا کہ ایک [illegible] بیٹھ کر اپنے ہم عمروں کو جو جی میں آتا تھا اناپ شناپ درس دیا کرتا تھا۔ درس دیتے وقت میری میز پر ایک پتلا سا بید رکھا رہتا تھا [illegible] کچھ توجہ کے ساتھ میرا درس نہیں سنتا تھا اسے میں بید سے اس بری طرح مارتا تھا کہ بیچارہ چیخیں مار مار کر رونے لگتا تھا۔ اور کبھی کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ میں کسی کند ذہن بچے کے کاندھوں پر سوار ہو کر اسے اس طرح بید مار مار کر دوڑاتا کہ وہ غریب بدم ہو کر گرنے لگتا تھا ——— اور میرے مزاج کی یہی بنیادی سختی ہے جو میری بیاض خطیبانہ شاعری میں تلخ و ترش لہجہ بن کر آج بھی نمودار ہوتی رہتی ہے اور میری شاعری کا نقاد میرے لہجے کی درشتی پر چیخ چیخ اٹھتا ہے ———

میں لڑکپن میں بلا کا شریر تھا۔ غیظ و غضب کا یہ عالم تھا کہ ایک ذرا سی خلاف مزاج بات پر میرے ہر بن مو سے چنگاریاں

نکلے لگتی ہیں بہرحیثیت فی صدی زمانے کی گردش اور سترفی صدی تفکر و تدبر اور محبت نے میرے مزاج کو اب اس قدر بدل دیا ہے کہ مجھے اپنی اس قلب ماہیت پر خود حیرت ہوتی ہے ــــ پہلے صرف حیرت ہوتی تھی اور اب ایک تحسین آمیز خوشگوار حیرت کا احساس ہوتا ہے ــــ لیکن اس قلب ماہیت کے باوجود حماقت و غباوت پر مجھے آج بھی غصہ اور گاہ گاہ شدید غصہ آجاتا ہے۔ اور یہی وہ غصہ ہے جو میری سیاسی نظموں میں جیسا کہ بیان کر چکا ہوں جھلکا کرتا ہے ــــ جانتا اور خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ جس شخص میں جتنی مقدار غیظ و غضب کی ہوتی ہے اسی نسبت سے اس کی ذات میں حکمت و بصیرت کی کمی ہوتی ہے۔

دریائے فراواں نہ شود تیرہ بہ سنگ
عارف کہ برنجد تنک آب است ہنوز

بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی میں اپنی موجودہ خطیبانہ شاعری کے لہجے کی توجیہ کرنے لگا لیکن "روح ادب" کو اس سے کیا واسطہ۔ ہاں تو میں لڑکپن میں بچوں کو بید کے ذریعے سے درس دیا کرتا تھا۔ لیکن زیادہ وقت شاعری میں صرف ہوتا تھا ــــ شاعری کرتے ہوئے یہ میری چوتھی پشت ہے میرا لڑکا سجاد حیدر اور میری لڑکی بھی موزوں طبع ہے۔ اگر آئندہ یہ دونوں شاعری کریں گے تو

ع پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

کہنے کے بہ طور مستحق ہوں گے ــــ میرے باپ بھی شاعر تھے دادا بھی اور پردادا بھی جن کا تخلص گویا اور نام حسام الدولہ تہور جنگ نواب فقیر محمد خاں تھا ــــ لیکن میرے والد نے شاعری سے مجھے ہمیشہ روکا اور سختی کے ساتھ روکا ــــ "بیٹا شاعری منحوس چیز ہے اگر اس میں پڑ و گے تو تباہ ہو جاؤ گے" یہ تھا میرے باپ کا انتباہ آمیز قول جسے وہ اکثر دہرایا کرتے تھے۔ ایک روز میں نے بڑی جسارت سے کام لیکر ڈرتے ڈرتے اپنے باپ سے سوال کیا تھا کہ آپ اور دادا میاں بھی تو شعر کہتے ہیں۔ وہ تو تباہ نہیں ہوئے میں کیوں تباہ ہو جاؤں گا۔ مجھے اچھی طرح وہ وقت یاد ہے کہ میرے باپ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر میرے اس سوال کا یہ جواب دیا تھا کہ چار پانچ پشتوں سے ہماری جائداد لڑکوں اور لڑکیوں میں تقسیم در تقسیم ہوتی چلی آرہی ہے اور بالخصوص تمہارے دادا نے اپنے کچھ اوپر سولہ لڑکوں اور لڑکیوں میں اپنے علاقے کو جس طرح سے تقسیم فرمایا ہے اس کے پیش نظر ہوتے ہوئے میں کہہ جائداد کہ میرے حصے میں آئی ہے وہ میرے بعد تم تینوں بھائیوں اور چاروں بہنوں میں تقسیم ہونے کے بعد ہرگز اس قابل نہیں رہے گی کہ ایک شاعر کی لااُبالی طبیعت اور اس کے ذوق کی مناسبت سے مادی کورواشت کر سکے ــــ چنانچہ وہی ہوا جس کا میرے باپ کو اندیشہ تھا۔

اس مجموعے کی ساعت کے وقت میرے گردوپیش کی دنیا اور میرے تاثرات و حالات کیا تھے اس مختصر سے دیباچے میں

اِس کی گنجائش نہیں نکالی جاسکتی، یہ داستان میں اپنے خود نوشت سوانح میں بیان کروں گا، جو ہنوز ضبطِ تحریر کی ابتدائی منزلوں سے گزر رہا ہے۔

یہاں مختصراً اتنا کہوں گا کہ مادی حیثیت سے وہ میری انتہائی فارغ البالی کا زمانہ تھا، گھر میں دولت پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی، اور اسی کے دوش بدوش اقتدار و حکومت کا طنطنہ بھی شامل حال تھا —— زندگی اور زندگی کی تلخیوں سے قطعی ناواقفیت اور دردمند انسانیت کے مشاہدے، نیز حیات کے تلخ تجربات سے کلیتہً بیگانگی تھی۔ البتہ اِن تمام فارغ البالیوں کے باوجود مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کوئی شے، رہ رہ کر میرے دل میں چبھا کرتی تھی، وہ کوئی شے "تھی کیا" مجھے اُس کا مطلق کوئی علم نہیں تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے حسنِ مناظر سے خوشی، اور حسنِ انسانی سے دُکھ محسوس ہوا کرتا تھا —— ایسا کیوں تھا یہ بات میرے دائرہ علم سے خارج تھی۔

نیز اُس زمانے میں، بادش بخیر، ایک کافی مدت تک میں نماز کا بھی نہایت ہی سختی کے ساتھ پابند ہو گیا تھا۔ نماز کے وقت خوشبوئیں جلاتا اور کمرہ بند کر لیتا تھا۔ اور گھنٹوں رکوع و سجود میں کھویا ہوا رہتا تھا —— اس دور میں میں نے داڑھی بھی رکھ لی تھی، چارپائی پر لیٹنا اور گوشت کھانا ترک کر دیا تھا۔ ایک مشہور خانقاہ کے سجادہ نشین کے ہات پر بیعت بھی کر لی تھی —— اور وہ چیز جسے صوفیائے کرام "تجلیات" کہتے ہیں، میرے قلب کو حاصل ہو گئی تھی۔ ذرا ذرا سی بات میں میرے آنسو نکل آتے تھے اور بالخصوص گریۂ نیم شبی اور آہِ سحری کے وقت تو ایسا محسوس ہوتا تھا گویا میرا دل بہ رہا اور میرا تمام وجود فضائے نیلگوں میں اڑ رہا ہے۔

میں کبیر داس اور ٹیگور کی شاعری کا دلدادہ، اور حافظِ شیراز کا پرستار تھا۔ حافظ کے ساتھ تو مجھے اِس قدر شغف تھا کہ صبح کی نماز سے بہت پیشتر اُٹھ کر میں غسل کرتا، تازہ پھول شیشے کی پلیٹ میں رکھتا، اگر اور عود جلاتا، اور حافظ کا کلام گنگناتا اور ایک نشے کے عالم میں جھوما کرتا تھا۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حافظ کی روح میرے گرد و پیش رقص کر رہی ہے۔

یہ وہی زمانہ تھا کہ میں محبت کو، جنسیات سے برتر، ایک مقدس آسمانی چیز سمجھتا، اور محبت کی تلخ شیرینیوں میں گم ہو جانے کو حیاتِ انسانی کا سب سے بڑا کارنامہ خیال کرتا تھا۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود، دہشت و اضطراب کے ساتھ کبھی کبھی یہ بھی محسوس ہوتا تھا جیسے میرے دماغ کے اندر کوئی خطرناک کمانی کھل رہی ہے، جو آخر کار مجھ سے میری اِس دنیائے لطافت کو چھین لے گی —— چنانچہ وقت گزرتا گیا، کمانی کھلتی چلی گئی۔ اور کچھ مدت کے بعد مجھ میں ایک قسم کا ہلکا باغیانہ میلان پیدا ہو گیا، اور ترقی کرنے لگا۔ اور آخر کار نوبت یہ پہنچی کہ میری نمازیں ترک ہو گئیں، داڑھی منڈ گئی، گریۂ نیم شبی، اور آہِ سحری کا سلسلہ ختم ہو گیا —— اور اب میں اُس منزل میں آ گیا، جہاں ہر

قدیم استناد اور سرمایہ روایت پر اعتراض کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اور اعتراضات بھی تمسخر انگیز و اہانت آمیز ——

تب میرے خیالات و اقوال کا کارواں اِس راستے پر آہستہ آہستہ گامزن ہونے لگا تو میرے مرحوم باپ کو سخت اندیشہ پیدا ہوا کہ میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ اُنہوں نے مجھے بڑی نرمی اور احتیاط کے ساتھ سمجھانا، اور ایک مدت تک سمجھانے سے تنگ آکر آخر کار دھمکانا شروع کر دیا، مگر مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور آبائی عقائد و روایات سے میری بغاوت بڑھتی ہی چلی گئی۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ میرے باپ نے وصیت نامہ تحریر فرما کر میرے پاس بھیجدیا کہ اگر اب بھی میں اپنی "ضد" پر قائم رہوں گا تو وہ اُس وصیت نامے کو جس میں انہوں نے مجھے جائداد سے محروم کر کے، میرے نام صرف سو روپے ماہانہ کا وظیفہ مقرر فرمایا تھا، جج کے آہنی صندوق میں داخل کر کے میرے مستقبل کو زندانِ محرومی میں ہمیشہ کے واسطے مقفل فرما دینگے۔

لیکن مجھ پر اس کا بھی مطلق اثر نہیں ہوا۔ اور وصیت نامہ اُس کے دوسرے ہی دن لکھنؤ کے ڈسٹرکٹ جج کے صندوق میں بند کر دیا گیا —— لیکن چھ ماہ کے بعد، جس وقت کہ میں اپنے کمرے میں دوپہر کے وقت ایک عجیب خواب دیکھ رہا تھا، ماما نے مجھے جگایا، اور کہا "میاں بلا رہے ہیں۔" چنانچہ میں اپنے باپ کے پاس پہونچا۔ سر جھکائے ہوئے، اور ادب کے ساتھ —— میرے شفیق باپ نے مجھ سے کہا "شبیر!" اور میں نے آنکھیں اٹھائیں تو دیکھا کہ میرے باپ کی بڑی بڑی غلافی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے ہیں۔ "یہ دیکھو دوسرا وصیت نامہ، میں نے جائداد میں تمہارا حصّہ تمہارے دونوں بھائیوں کے برابر کر دیا ہے۔" میرے باپ نے بھرائی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا مجھ پر باپ کی شفقت اور اُس وقت کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ میری ہچکیاں بندھ گئیں کہ اتنے میں میرے باپ کی آواز پھر گونجی "شبیر! اس دولت اور جائداد کی خاطر لوگ ماں باپ اور بھائی بہن تک کو مار ڈالتے ہیں، اور یہاں تک کہ ایمان کو بھی گنوا دیتے ہیں۔ مگر تم نے اِس دولت اور جائداد کی اپنے اصول کے سامنے ذرہ برابر بھی پروا نہیں کی، مجھے تمہاری یہ استواری و استقامت بہت پسند آئی، اگر تمہارا سا آدمی کمیونسٹ بھی ہو جائے تو بھی اُس کی عزت کرنا چاہیے"

مجھ پر باپ کی اِس بیکرانہ شفقت کا بہت اثر ہوا، اور میرا دل باپ کے روبرو اور بھی جھک گیا، لیکن باغیانہ خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی —— یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ میں اس موقع پر جس کو اپنے "باغیانہ خیالات" کا لقب دے رہا ہوں، وہ اس وقت مذہب سے رُوگردانی اور الحاد نہیں تھا، بلکہ اُس کا مفہوم یہ ہے کہ آبائی عقائد اور پارینہ روایات کا طلسم باقی نہیں رہا تھا، اور اُس کی جگہ ایک دوسرا مذہبی اثر میرا احاطہ کر چکا تھا، جس کا ایک رُخ تو میرے باپ کو بہت پسند تھا، لیکن دوسرے رُخ اور اُس رُخ کی شدت کو وہ نہایت غیر مستحسن خیال فرماتے تھے ——

یہ تھے میرے حالات وخیالات جس وقت "روحِ ادب" عالمِ وجود میں آئی تھی ـــــ اور یہی وہ زمانہ تھا کہ محبت کی تیز دھار میری رگِ دل کو چھو کر رنگین ہو چکی تھی۔

جی تو بیساختہ چاہتا ہے کہ میں اُس اولیں وارداتِ محبت کو، اور اُس کے ساتھ ساتھ اپنے تمام دیگر واقعاتِ رنگین کو اس دیباچے میں درج کر دوں، اور دُنیا کو یہ بتا دوں کہ حسن کی زلفوں کی کمندوں نے کتنی بے پایاں نیازمندیوں کے بعد میرے نازکو گرفتار کرنیکی سعادت حاصل کی تھی، لیکن ڈرتا ہوں، بیان کرنے سے ڈرتا ہوں، اپنی رسوائی سے نہیں، اپنے صیادوں کی رسوائی سے ڈرتا ہوں۔ کہ کہیں اُن کی جبینِ ناز پر شکنیں نہ پڑ جائیں ـــــ بہرحال مجموعی حیثیت سے اِس موقع پر میں صرف اِس قدر کہدینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں محبت کے معاملے میں ہمیشہ خوش قسمت، اور عرفی کے اِس شعر کا مصداق رہا۔

آنہا کہ آہوانِ حرم را کنند صید
در آرزوئے ناوکِ صید افگنِ من اند

اور یہی وجہ ہے کہ میری شاعری میں آنسو آہیں اور سینہ کوبیاں بہت ہی کم ہیں، کیونکہ یہ چیزیں ناکامی اور انفعالیت سے پیدا ہوتی ہیں اور میں ان چیزوں سے شاذ ہی دوچار ہوا ہوں۔

اب آپ کو کسی قدر اندازہ ہو گیا ہو گا کہ "روحِ ادب" کی تصنیف کے وقت میرا کیا عالم اور کیا ماحول تھا، لگے ہاتھوں اس بات کا ظاہر کر دینا بھی بہت ضروری ہے کہ اِس مجموعے میں میرے اُستاد کی اصلاح کا ایک حرف بھی موجود نہیں ہے ـــــ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرحوم حضرتِ عزیز لکھنوی کا میں شاگرد تھا، لیکن جب یہ کتاب مرتب ہو رہی تھی میں نے اُن کی تمام اصلاحوں کو اس سے خارج کر دیا تھا، تاکہ میں نے جس طور سے بھی جو کچھ کہا ہے، وہی ملک کے سامنے پیش ہو اور میری انفرادیت پر حرف نہ آنے پائے ـــــ اِس بات سے میرے مرحوم اُستاد مجھ سے ناخوش بھی ہو گئے تھے۔ لیکن اگر وہ آج زندہ ہوتے تو میرے نزدیک وہ اِس قدر ذہین انسان تھے کہ اب وہ میری اِس "گستاخی" کی قدر کرتے ـــــ

مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اِس مجموعے میں کہاں کہاں اغلاط پائے جاتے ہیں، اور اب میرے واسطے نہایت آسان تھا کہ میں اِس کتاب کو اُن اغلاط سے پاک کر دیتا، مگر چونکہ یہ امر ادبی دیانت کے خلاف ہوتا، اِس لئے میں اس سے باز رہا۔ اس کے علاوہ اگر میں ایسا کرتا، تو میرے کلام کی تحقیقات کرنے والا، دھوکے میں مبتلا ہو کر میری شاعری کے باب میں صحیح ترین رائے قائم کرنے میں ناکام رہتا ـــــ نیز اس لحاظ سے بھی مجھے یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ آثارِ قدیم میں ترمیم و تنسیخ کرنا ایک شدید بے رحمی ہے۔

اس مجموعے میں نثر بھی ہے، غزلیں بھی ہیں، اور نظمیں بھی۔ نثر کی جانب ٹیگور نے مجھے مخاطب کیا تھا، غزلیں آبائی اور ماحولی اثرات کا نتیجہ ہیں، اور نظموں کے باب میں وحید الدین صاحب سلیم کا شکرگزار ہوں کہ اس صنفِ صحیح کی جانب، سب سے پہلے انہیں بزرگوار نے مجھے توجہ دلائی تھی۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ تغزل پر مرحوم ہی نے اس قدر قہقہے مارے تھے کہ میرے دل کو اِس غیر فطری صنعت سے پھیر دیا تھا ——————

آپ میری اِس وقت تک کی شاعری کی عمارت کو بخوبی دیکھ چکے ہیں ———— اب میں اس عمارت کی خشتِ اول کو آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں، اِسے اُلٹ پلٹ کر دیکھیے، اور اندازہ کیجیے کہ یہ خشتِ اول "کج" ہے، یا "راست" ————

اے دل نہ سنا عہدِ طرب کی باتیں
رنگین فسانہ ہائے شب کی باتیں
بکھری ہوئی زلف، سانس مہکی مہکی
اے خانہ خراب، ہیں یہ کب کی باتیں؟

(اثر لکھنوی)

جوش

# نذر

اے صُبحِ صادق! اے عروسِ فطرت!! میں اس ناچیز تصنیف کو تیرے نورانی قدموں سے مس کرنے لایا ہوں ...... اسے قبول کر......

اگر تو نہ مسکرائی تو کارخانہ قدرت میں غور کرنے والا شاعر لوحِ محفوظ کا مطالعہ کبھی نہ کر سکتا اور نہ شاہدِ معنی کا رخسار ہی دیکھ سکتا!!!

میں ہوں تیرا پرستار

جوؔش

بقدرِ ذوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کیلئے

# نظم

بیاورید گر اینجا بود سخندانی
غریبِ شہر سخنہائے گفتنی دارد

بنامِ قوت و حیات

# ترانۂ بیگانگی

مجھ کو ایذا دے کسی ہستی میں یہ قوت نہیں
دوست یا دشمن، کوئی ہو اس قدر طاقت نہیں

جُز خدا اب آدمی کی جوشش پہ قدرت نہیں
کیونکہ مجھ کو اہلِ دنیا سے کوئی حاجت نہیں

دوسرے عالم میں ہوں "دنیا" سے میری جنگ ہے
تاجِ شاہی" سے "قدم" بھی مس کروں تو ننگ ہے

زہر لگتی ہے زمانہ کی مجھے آب و ہوا
ظاہری اسباب کو چھوڑے زمانہ ہو گیا

مال و دولت اقربا احباب یار و آشنا
چوٹ کھائی جب سے دل پر میں نے یہ سب تج دیا

شمع وہ پردہ میں ہے جس شمع کا پروانہ ہوں
انتہا یہ ہے کہ اپنے سے بھی میں بیگانہ ہوں

لوحِ دل پر نقش تھا جب تک کہ یہ مہمل خیال
"دوستوں کو واقعی مجھ سے محبت ہے کمال"

"اقربہ جذبات کو ہونے نہ دیں گے پائمال
خواب میں بھی مجھ کو پہونچیگا نہ ان سے کچھ ملال

ان پہ میرا حق ہے میرا زور ہے میرے ہیں یہ
ہوں بُرے "لیکن مرے حق میں بہت اچھے ہیں یہ

اس خیالِ خام نے کیا کیا نہ کی مجھ پر جفا
میں سمجھتا تھا جنہیں سر حلقۂ اہلِ صفا

جانتا تھا جن کو میں جانِ کرم روحِ وفا
کہہ نہیں سکتا زباں سے کچھ "انہوں نے کیا کیا"

کیا بتاؤں سختیاں کیں، یا ذرا شفقت نہ کی
مختصر یہ ہے "صفائے نفس" کی عزت نہ کی

ہیں محبت آشنا دل سے پشیماں ہو گیا
وہ پشیمانی ہوئی، سر در گریباں ہو گیا

زندگی دوبھر ہوئی، مرنے کا ساماں ہو گیا
عرصۂ ہستی سمٹ کر تنگ زنداں ہو گیا

آئی پہلو سے صدا "ناداں نہ دُنیا میں ہیں"
حق کسی پر جو سمجھتے ہیں بہت ایذا میں ہیں"

"آدمی کی دوستی کا کچھ نہیں ہے اعتبار
"تو بھروسہ ان پہ کرتا ہے ارے غفلت شعار"

"نخلِ گل "بادِ خزاں" سے مانگتا "دورخ" سے بہار"
"دوستوں" سے مہربانی" کا ہوا امیدوار"

"تو سمجھتا ہے جنہیں ذاتی ہنر کے دوست ہیں
"وہ تری املاک کے خواہاں ہیں زر کے دوست ہیں

"کہتے ہیں جس کو قرابت دشمنی کا نام ہے" "اپنے مطلب سے غرض اپنی غرض سے کام ہے"

"دور رہ دنیا سے اس تکلیف میں آرام ہے" "ماسوا کی دوستی ہی موت کا پیغام ہے"

"مہرباں بیگانہ ہے نامہرباں بیگانہ ہے"

"دیکھ آنکھیں کھول یہ سارا جہاں بیگانہ ہے"

"مہرباں بھی ہوں اگر بالفرض یار و آشنا" راس بھی آئے اگر تجھ کو زمانے کی ہوا"

"دوست رکھتے ہوں تجھے سب اپنی باتوں کے سوا" "تا بکے یہ رسم الفت یہ محبت تا کجا!"

"نام رہ جائے گا باقی دہر میں اللہ کا

"موت اک دن قطع کر دے گی یہ رشتہ چاہ کا"

ٹھان لی یہ سن کے "درد ہجر سہنا چاہیے" شکوہ کیسا اب زباں سے کچھ نہ کہنا چاہیے

بن کے سیل اشک ویرانوں میں بہنا چاہیے سبزۂ بیگانہ کے مانند رہنا چاہیے

کیونکہ بزم دہر میں اگلی سی وہ رونق نہیں

اب عزیز و اقربا پر کوئی میرا حق نہیں"

سانس لی یہ فیصلہ کرتے ہی اطمینان سے ختم گویا ہو گئے دنیا کے سارے مرحلے

دفعتاً پیدا ہوئے سینے میں تازہ ولولے "مسکرایا میں زمین و آسماں کو دیکھ کے!

آئی بوئے دوستی فطرت کے ساماں سے مجھے لینے آئی اک مہک صحن گلستاں سے مجھے

کھل گیا در ناز سے، آنے لگی ٹھنڈی ہوا  
ساز غنچوں نے لئے گانے لگی ٹھنڈی ہوا

دوست کی خوشبو سے تڑپانے لگی ٹھنڈی ہوا  
گیسوؤں میں مجھ کو الجھانے لگی ٹھنڈی ہوا

غنچۂ خاطر کہ مرجھایا ہوا تھا کھِل گیا  
دل مرا نیچر کے اس پیغام بر سے مل گیا

چھوڑ کر انساں کو میں فطرت کا شیدا ہو گیا  
خوبیٔ قسمت، کہ فوراً ربط پیدا ہو گیا

میرا ہمدم سبزہ زار و کوہ و صحرا ہو گیا  
دوست میرا چشمہ و گلزار و دریا ہو گیا

مجھ کو حلقے میں تبسم نے لیا خورشید کے  
"شامِ غم" رخصت ہوئی جلووں میں صبحِ عید کے

دوست یہ ایسے ہیں جو دھوکا نہیں دیتے کبھی  
جھوٹ سے واقف نہیں ہے ان رفیقوں میں کوئی

وقت آتا ہے تو کھل جاتی ہے ہنس کر چاندنی  
صبح ہوتے ہی چٹک جاتی ہیں کلیاں باغ کی

ان کے وعدے وقت پر ایفا نہ ہوں ممکن نہیں  
کون سی وہ رات ہے جس کے سرے پر "دن" نہیں؟

رات چمکاتی ہے تارے، صبح برساتی ہے نور  
موسمِ باراں بچھا دیتا ہے سبزہ دور دور

چاندنی شب بھر دکھاتی ہے جلوے نور کے  
ذرہ ذرہ صبح کو کہتا ہے "میں ہوں برقِ طور"

رات آنکھیں کھولتی ہے سلانے کے لئے  
تاج پہنے صبح آتی ہے جگانے کے لئے!

لہریں ہنس ہنس کر عجب نغمے سناتی ہیں مجھے
ڈالیاں پھولوں کی جھک جھک کر بلاتی ہیں مجھے
شاخیں اپنے سائے میں پہروں بٹھاتی ہیں مجھے
ندیاں اپنے کناروں پر سلاتی ہیں مجھے

کوئی مجھ کو رنج اِن احباب میں دیتا نہیں
اور اس خدمت کی قیمت بھی کوئی لیتا نہیں

دیکھتے ہیں مجھ کو پہروں خندہ پیشانی سے پھول
کس قدر مانوس ہیں آئینِ مہمانی سے پھول
ٹوٹ کر دامن میں آجاتے ہیں آسانی سے پھول
کرتے ہیں مسرور مجھ کو اپنی قربانی سے پھول

پھول کے مانند انسانو تمہارا دل نہیں
میری خاطر جان بھی دینا اِنہیں مشکل نہیں

گونجتی ہے کوہ و صحرا میں پپیہے کی صدا
اُودی اُودی آسمانوں پر جب آتی ہے گھٹا
رُوح کو بیدار کرتی ہے بیاباں کی ہوا
دُور ہوتی ہے "خودی" سینے میں آتا ہے "خدا"

کام رہتا ہے نہ دولت سے نہ فانی جاہ سے
لَو لگا کر بیٹھ جاتا ہوں فقط "اللہ" سے

"صاف دل ہو جا" مجھے تعلیم یہ دیتی ہے نہر
ندیوں کے پیچ و خم سے خون میں آتی ہے لہر
دشت ہنستے ہیں کہ آبادی پہ کیوں نازاں ہیں شہر؟
آبِ حیواں جس کو سمجھے ہیں وہ ہے اِک موجِ زہر
سوز دیتا ہے بھری برسات کا دریا مجھے
عقل دیتا ہے گھنے جنگل کا سناٹا مجھے!!

نقرئی چادر بچھاتا ہے مہِ سیمیں بدن     چومتی ہے آکے پیشانی مری زریں کرن
دیکھ کر شاداب ہوتا ہے مجھے صحنِ چمن     کس قدر خوش ہوں کہ جنگل ہے مرا پیارا وطن

روز صحرا کی طرف جانا مرا دستور ہے
بستیوں میں ہوں، مگر میری قرابت دُور ہے

## مناظرِ سحر

کیا روح فزا جلوۂ رخسارِ سحر ہے     کشمیرِ دل زار ہے فردوسِ نظر ہے
ہر پھول کا چہرہ عرقِ حُسن سے تر ہے     ہر چیز میں اک بات ہے ہر شے میں اثر ہے

ہر سمت بھڑکتا ہے رُخِ حُور کا شعلہ
ہر ذرۂ ناچیز میں ہے طُور کا شعلہ!

لرزش وہ ستاروں کی، وہ ذروں کا تبسم     چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جن پہ ترنم
گردوں پہ سپیدی و سیاہی کا تصادم     طوفان وہ جلووں کا، وہ نغموں کا تلاطم!!

اڑتے ہوئے گیسو وہ نسیمِ سحری کے
شانوں پہ پریشان ہیں یا بال پری کے

وہ پھیلنا خوشبو کا وہ کلیوں کا چٹکنا　　　وہ چاندنی مدھم، وہ سمندر کا چھلکنا
وہ چھاؤں میں تاروں کی گُلِ تر کا مہکنا　　　وہ جھومنا سبزہ کا، وہ کھیتوں کا لہکنا

شاخوں سے ملی جاتی ہیں شاخیں وہ اثر ہے
کہتی ہے نسیمِ سحری "عیدِ سحر ہے"

خنکی وہ بیاباں کی، وہ رنگینیٔ صحرا　　　وہ وادیٔ سرسبز وہ تالابِ مصفّا
پیشانیٔ گردوں پہ وہ ہنستا ہوا تارا　　　وہ راستے جنگل کے وہ بہتا ہوا دریا

ہر سمت گلستاں ہیں وہ انبار گلوں کے
شبنم سے وہ دھوئے ہوئے رخسار گلوں کے

وہ رُوح میں انوارِ خدا، صبح وہ صادق　　　وہ حُسن جسے دیکھ کے ہر آنکھ ہو عاشق
وہ سادگی انساں کی فطرت کے مطابق　　　زریں وہ اُفق، نور سے لبریز وہ مشرق

وہ نغمۂ داؤدؑ پرندوں کی صدائیں
پیراہن یوسفؑ کی وہ تاثیر ہوائیں

وہ برگِ گُلِ تازہ، وہ شبنم کی لطافت　　　اِک حُسن سے وہ خندۂ سامانِ حقیقت
وہ جلوۂ اصنام، وہ بتخانہ کی زینت　　　زاہد کا وہ منظر، وہ برہمن کی صباحت
ناقوس کے سینے سے صدائیں وہ فغاں کی　　　وہ حمد میں ڈوبی ہوئی آوازِ اذاں کی

آقا کا غلاموں سے یہ ہے قرب کا ہنگام — دل ہوتے ہیں سرشار، فنا ہوتے ہیں آلام
چھا جاتی ہے رحمت، تو برس پڑتے ہیں انعام — اس وقت کسی طرح مناسب نہیں آرام

رونے میں جو لذت ہے تو آہوں میں مزا ہے
اے روح! خودی چھوڑ کہ نزدیک خدا ہے!

## گریۂ مسرت

نازنین و عفیف اک بیوی — یادِ شوہر میں سُست بیٹھی تھی
غمزدہ، مضمحل، پریشاں حال — شکل غمگین، پُرشکن خط و خال
سوزِ ہجراں کی آنچ سینے میں! — پھر وہ برسات کے مہینے میں!
اُودی اُودی گھٹائیں آتی تھیں — اُس کے دل پر بلائیں آتی تھیں
دل میں کہتی تھی "کب وہ آئینگے" — "کب یہ دن بیکسی کے جائینگے"
منہمک تھی انہیں خیالوں میں — غرق تھی ہجر کے ملالوں میں
در و دیوار پر اداسی تھی — چشم و ابرو پہ بدحواسی تھی

دفعتاً چاپ سی ہوئی محسوس
ہل گیا خوف سے دلِ مایوس

یک بیک بام و در جھلک اُٹھے　　در و دیوار سب مہک اُٹھے

اُس نے حیرت سے مڑ کے جب دیکھا

پیارے شوہر کو پشت پر پایا!!!

آنکھ اُٹھاتے ہی ہو گئی حیرت　　سامنے اسکے تھی وہی عورت.....

روز روتی تھی جس کی فرقت میں　　اشک بہنے لگے مسرت میں

ہنس کے شوہر نے چھیڑ سے پوچھا

"میرے آنے سے کیا ہوئی ایذا؟"

دل کے چشمے یہ کیوں اُبل آئے؟"

اشک کیوں وقت" نکل آئے؟"

سُن کے شوہر کا یہ عجیب خیال　　عرض کرنے لگی وہ دل کا حال

بولی" آنکھیں تھیں ہجر سے خونبار"　　ہو گئی تھیں فراق سے بیمار

تابشِ حُسن نے دوا بخشی"　　"لذتِ دید نے شفا بخشی"

"یہ مری آنکھ میں جو آنسو ہیں"　　"ان میں صدہا خوشی کے پہلو ہیں

"پردہ اشک میں مسرت ہے"

"آج آنکھوں کا غسلِ صحت ہے"!!

# خیالاتِ زرّیں

تو رازِ فراغت کیا جانے، محدود تری آگاہی ہے
اپنے کو پریشاں حال سمجھنا، عقل کی یہ کوتاہی ہے
دولت کیا؛ اک روگ ہے دل کا، حرص نہیں گمراہی ہے
دنیا سے بے پروا رہنا سب سے بڑی یہ شاہی ہے
اس قول کو میرے مانے گا جو صاحبِ دل ہے دانا ہے
کہتے ہیں جسے "شاہنشاہی" حاجت کا روا ہو جانا ہے
پینے کو میسر پانی ہے، کھانے کے لئے حاضر ہے غذا
تفریح کو سبزہ جنگل کا، صحت کی محافظ صاف ہوا
پوشش کے لئے ملبوس بھی ہے، رہنے کو مکاں بھی ستھرا سا
اور اس کے سوا کیا حاجت ہے، انصاف تو کر تو دل میں ذرا
راحت کیلئے جو ساماں ہیں، قدرت نے بہم پہنچائے ہیں
اے بندۂ زر! پھر تیری ہوس نے پاؤں یہ کیوں پھیلائے ہیں

دولت کا نتیجہ کلفت ہے، سامانِ امارت ذلت ہے
جس دل میں ہوس کی کثرت ہے دُور اُس سے حقیقی راحت ہے
ارمان بہت ہیں، کم کر دے، ہستی یہ نہیں، اک غفلت ہے
آغاز سراپا دھوکا ہے، انجام سراسر عبرت ہے
تاریخ اُٹھا بتلائیگی وہ، "دنیا میں خوشی کا نام نہیں
جس دل پہ ہوس کا سکّہ ہے اُس دل کے لئے آرام نہیں
صحت میں تری کچھ ہرج نہیں اعضا میں ترے نقصان نہیں
پھر بھی یہ شکایت تجھ کو ہے "اسباب نہیں سامان نہیں"
انعامِ خدا کا منکر ہے، اللہ پہ اطمینان نہیں
تو حرص و ہوا کا بندہ ہے، مضبوط ترا ایمان نہیں
دنیا کی حکومت تیری ہے، اپنے کو گدا کیوں کہتا ہے
سامانِ فراغت حاضر ہیں، بیکار پریشاں رہتا ہے
یہ ابر، یہ وادی، یہ گلشن، یہ کوہ و بیاباں یہ صحرا
یہ پھول، یہ کلیاں، یہ سبزہ، یہ موسم گُل، یہ سرد ہوا
یہ شام کی دلکش تفریحیں، یہ رات کا گہرا سناٹا

یہ پچھلے پہر کی رنگینی، یہ نورِ سحر، یہ موجِ صبا
معبود کی کس کس بخشش کو مُنکر سے گا چھپائے جائے گا
اللہ کی کس کس نعمت کو اے منکرِ دیں جھٹلائے گا

اللہ کی رحمت عام ہے سب پر "شاہ" ہو اس میں یا ہو "گدا"
یہ چاند، یہ سورج، یہ تارے، یہ نغمۂ بلبل، یہ دریا
دونوں کے لئے یہ تحفے ہیں، کچھ فرق اگر ہے تو اتنا
اِن جلووں سے لذّت پاتا ہے آزاد کا دل منعم سے سوا

شاہوں کے سروں میں تاج گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے
جو اہلِ صفا ہیں اُن کے دل میں نور کا چشمہ بہتا ہے

آگاہ ہو جو تُو چاہتا ہے، دنیا میں نہیں وہ ہونے کا
اسبابِ طرب کا جویا تو، سامان یہاں ہے رونے کا
"دولت" کو صلا کیا سمجھا ہے اخلاق کی قوت کھونے کا؟
ایمان کے دل کا داغ ہے یہ، سکہ یہ نہیں ہے سونے کا

کیا کرتا ہے ناداں؟ بھاگ ادھر سے نار ہے اِن دیناروں میں
یوں ہاتھ نہ ڈال ان دوزخ کے لو دیتے ہوئے انگاروں میں

اسباب تموّل زنجیریں، ایوانِ حکومت زنداں ہے
دلچسپ جسے تو سمجھا ہے، وحشت کا وہ ساز و ساماں ہے
سکّوں کی چمک پر مرتا ہے، دولت کے لئے سرگرداں ہے
تو رازِ فنا معلوم تو کر، دُنیا کے لئے کیوں حیراں ہے
اُس شے سے تعلّق ہی کیسا جو چھوڑ کر جانے والی ہے!
سامانِ تعیش جمع کئے جا! موت بھی آنے والی ہے!
آراستہ ہو کر جلووں سے جب سامنے دنیا آتی ہے
راحت کے ترانے گاتی ہے، دولت کی چمک دکھلاتی ہے
جب آنکھ پہ قبضہ کرتی ہے سینہ میں ہوس بھڑکاتی ہے
ایمان و یقیں کی شمعِ درخشاں بن کے دھواں اُڑ جاتی ہے
ملتا ہی نہیں ہے جسم سے پھر جب عضو کوئی کٹ جاتا ہے
بس یونہی ہوس کے بندے کا معبود سے دل ہٹ جاتا ہے
شاہوں کی امارت جسمانی، قانع کی حکومت روحانی
ظاہر کی مسرت سلطاں کو، آزاد کو لذّت وجدانی
دنیا کے تماشے عبرت زا، عقبےٰ کے مناظر لاثانی

مرنے میں حقیقی آزادی، جینے میں سراسر حیرانی
بندے جو ذرا بھی عقل ہو تجھ میں تام جہاں میں کر جانا
اللہ اگر توفیق تجھے دے موت سے پہلے مر جانا
آرام کی خواہش مہمل ہے یہ "قبر" نہیں ہے "دنیا" ہے
یہ "زیست" نہیں ہے "کلفت" ہے، یہ "سانس" نہیں ہے "ایذا" ہے
آگاہ ہو اے ناداں! کدھر تو پیاس بجھانے جاتا ہے
ذرّوں کی چمک کا یہ چشمہ، یہ ریگِ رواں کا دریا ہے!
سن جوشؔ کی باتیں غور سے تو مشتاق نہ بن اس ارذل کا
اے دوست! یہ "دنیا" سایہ ہے گرمی کے پریشاں بادل کا

# طوفانِ بے ثباتی

چاندنی تھی صبح کا ہنگام تھا — میں یکایک اپنے بستر سے اُٹھا
ڈوبتے تاروں کو دیکھا غور سے — آنکھ میں اشکوں سے طوفاں آگیا
ذرہ ذرہ میں زمیں سے تا فلک — موج زن تھا اک سمندر حسن کا
وہ گلابی روشنی، ہلکا وہ نور — وہ تڑپ دریا کی، وہ ٹھنڈی ہوا

وہ نسیمِ صبح کی اٹھکیلیاں  
وہ ترنم خیز جھونکے وہ ہوا

آنکھ اُٹھائی، روح بالیدہ ہوئی  
سانس لی، اور خون تازہ ہو گیا!

دل ہلا روحانیت کے جوش سے  
سجدۂ معبود میں سر جھک گیا

خاک پر رکھتے ہی سجدے میں جبیں  
دفعتاً اِک درد سینے میں اُٹھا

"باغِ عالم پر نظر کر غور سے"  
دوست کی پہلو سے آئی یہ صدا

"سطحِ حیوانیت سے ہو بلند"  
"منتظر ہے خلد کی آب و ہوا"

"سرمدی جلوے ترے مشتاق ہیں"  
"میرے بندے کھول دے آنکھیں ذرا!"

"حافظہ کو سبق ہماری یاد سے"  
"ذہن کو دنیا کی فکروں سے بچا"

"میری جانب دیکھ اے فانی وجود"  
"دیکھ رنگِ دہر سے دھوکا نہ کھا"

"زندگانی کا سبق لے پھول سے"  
"دیکھ اُس کی ابتدا و انتہا"

بس یہ سُننا تھا کہ میں دیوانہ وار  
تیز تیز اِک باغ کی جانب چلا

دلربا کلیاں کھِلی تھیں ہر طرف  
خوشنما سبزہ بچھا تھا جا بجا،

اُوس کے موتی پڑے تھے خال خال  
صاف تھے چشمے معطّر تھی ہوا،

خون میں گردش تھی آنکھوں میں سرور  
میں اِسی عالم میں اِک جانب بڑھا

آہ کھینچی میں نے شاخِ گُل کے پاس
اِک کلی کو توڑ کر بوسہ دیا

گرمی و سردی سے کھل جاتے ہیں پھول
یہ ہوا کا کام ہے اور دھوپ کا

فعل تھا فطرت کا جو کچھ اصل میں
وہ عمل میرے تنفّس نے کیا

شاخِ نازک سے کلی کو توڑ کر
جیسے ہی میں نے لبوں سے مس کیا

مجھ کو حیرت ہو گئی یہ دیکھ کر
غنچہ چٹکا، اور چٹک کر کھل گیا!

مجھ پہ بھی لیکن ہوا طرفہ اثر
رُوح کا "ست" نبضوں میں کھنچ گیا

جس طرح شبنم کو پیتی ہے کرن
پھول میری روح کو یوں پی گیا!!

شاخِ گل سے خون ٹپکا بعد ازاں
اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا!!

ہوش میں آیا تو دیکھا دھوپ تھی
اور پڑا تھا پھول مُرجھایا ہوا!!

یہ صدا گونجی ہوئی تھی ہر طرف
سوچ اپنی ابتدا و انتہا!!

---

# تماشائے قدرت

جھٹپٹا وقت ہے لبِ دریا — ایک مندر میں جل رہا ہے دیا

روشنی روح کو لبھاتی ہے — بہ کے لہروں میں مسکراتی ہے

موجیں تھم تھم کے ہو رہی ہیں رواں — قطرہ قطرہ ہے مشعلِ ایماں

حُسن کی رُوح ہے نمودِ چراغ — کاکلِ پُرشکن ہے دودِ چراغ

چرخ پر ہے شفق کی گلکاری — ہر طرف اِک سکوت ہے طاری

میری آنکھیں جمی ہوئی ہیں اُدھر — نُور میں غوطہ زن ہیں قلب و نظر

سینہ روشن ہے درد کی ضَو سے — گرم ہے دل چراغ کی لَو سے

کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے — میری حالت پہ مسکراتا ہے

"وحشتِ دِل سے ربط ہے اِسکو" — لوگ کہتے ہیں "خبط ہے" اِس کو"

لیکن اتنی کسی میں عقل کہاں — کہ سمجھ لے ہر اِک یہ رازِ نہاں ....

کہ یہ چیزیں علوم کے "سر" ہیں — مرکزِ فکر یہ مناظر ہیں .....

اِن سے ہوتی ہے عقل کو صحت — اِن سے آتی ہے رُوح میں قوّت

جلوہ گران میں برقِ عرفاں ہے — اِن مناظر میں سوزِ پنہاں ہے !!

# حالاتِ حاضرہ (بزمانۂ جنگ)

ہر چیز پر سکوت ہے، ہر شے پہ یاس ہے
غم حکمراں ہے دہر میں، دُنیا اداس ہے

جلوے ہیں شامِ غم میں نہاں صبحِ عید کے
دھندلے ہیں خط و خالِ عروسِ اُمید کے

کشتی رواں ہے زیست کی دریائے زہر میں
بجلی تڑپ رہی ہے مسرّت کی لہر میں

عالم ہے شاخِ گُل میں عجب پیچ و تاب کا
کانٹے ہیں، اور پھول نہیں ہے گلاب کا

"لذت" اُڑی ہے خواب سے، وسعت خیال سے
"آب" آئینہ سے "قوتِ برقی" جمال سے

صبحیں چھپی ہیں قہر کی پُرہول رات میں
دوڑا ہے زہر چشمۂ آبِ حیات میں

تابندگی کے راز سے محرم نہیں رہے
وہ روئے گُل پہ قطرۂ شبنم نہیں رہے

فطرت کو انتظام پہ قدرت نہیں رہی
"پانی گھٹا میں" "پھول میں" "نکہت" نہیں رہی

سینوں میں قلب برف کے مانند سرد ہیں
بس حد ہوئی کہ چہرۂ خوباں بھی زرد ہیں

سلطاں بڑھے ہیں دہر کے لشکر لئے ہوئے
اور اُن کے ساتھ قحط بھی خنجر لئے ہوئے

یہ جنگ کیا ہے؟ ایک مجسّم جنون ہے
گلزارِ کائنات کے تھالوں میں خون ہے

خلقت تمام قحط سے بے آب و دانہ ہے
اُس پہ وبا کا زور، یہ کیسا زمانہ ہے

عالم کے بام و در میں مریضوں کی آہ ہے
دنیائے طب، ہجومِ مرض کی گواہ ہے

نسخوں سے تھک گئی ہیں غریبوں کی انگلیاں
نبضوں نے کیں فگار طبیبوں کی انگلیاں

اب حد کے اختیار میں قیمت نہیں رہی
"ڈاکہ" رہا ہے رسمِ تجارت نہیں رہی

خنجر سے غم کے رشتۂ آرام کٹ گیا
شعلے سے آشتی کے اندھیر الپٹ گیا

پچھلے پہر میں اب وہ صباحت نہیں رہی
وہ جھٹپٹے کی سانولی صورت نہیں رہی

گرمی کی شام" اور کوئی بانکپن نہیں!
جاڑوں کی صبح اور سنہری کرن نہیں!

ہستی کی مملکت میں تباہی کا راج ہے!
ہشیار ہو کہ فرق مصیبت پہ تاج ہے!

محویتِ جنوں میں مری یاس مٹ گئی!!
دل یوں مٹا کہ قوتِ احساس مٹ گئی!!

# اِنتظار کے آخری لمحے

جلوہ کسی کا طورِ سینا ہی چاہتا ہے
دل پر توِ جمالِ زیبا ہی چاہتا ہے

حسن صبیح چشم بنا ہی چاہتا ہے
اے صبح کا ستارہ چمکا ہی چاہتا ہے

عکس آئینہ کے اندر اترا ہی چاہتا ہے

تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

ظاہر ترے کرم کے آثار ہو رہے ہیں
خوابیدہ ہوش اپنے بیدار ہو رہے ہیں

دل اور جگر بباطن سرشار ہو رہے ہیں      ظاہر تندرست، لیکن بیمار ہو رہے ہیں

عکس آئینہ کے اندر اترا ہی چاہتا ہے

تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

اوصاف عارفانہ جلوہ دکھا رہے ہیں      دامانِ معصیت سے دھبے مٹا رہے ہیں

صبر و شکیب دل پر سکہ بٹھا رہے ہیں      آثار ہیں یہ جتنے "ہم کو بتا رہے ہیں

عکس آئینہ کے اندر اترا ہی چاہتا ہے

تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

یہ کوہ یہ بیاباں یہ وادیاں یہ دریا      ان پر نظر جو ڈالی، ایماں کو زور پہونچا

فطرت سے ہم نے کتنا باریک ذہن پایا      ان حس کی قوتوں سے ہم کو یقین آیا

عکس آئینہ کے اندر اترا ہی چاہتا ہے

تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

میری نظر میں یکساں تیری تمام خلقت      مدت سے اب نہیں ہوں پابند قوم و ملت

سب سے مجھے تعلق، سب سے مجھے محبت      دل سے یقیں ہے امکاں بے دلیل و حجت

عکس آئینہ کے اندر اترا ہی چاہتا ہے

تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

سینہ تجلیوں سے معمور ہو گیا ہے	ہر داغ اپنے دل کا ناسور ہو گیا ہے
پروانہ وار جلنا مشہور ہو گیا ہے	پچھلے پہر سے رونا دستور ہو گیا ہے

عکس آئینہ کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

اب تیرے تذکرے میں پاتی ہے رُوح لذّت	تسبیح میں مزا ہے تقدیس میں مسرّت
مبذول ہو رہی ہے مجھ پر تری عنایت	پہونچا ہی چاہتا ہوں تا مرکزِ حقیقت

عکس آئینہ کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

جب بیکسی میں گھر کر کوئی غریب رویا	رقت ہوئی وہ طاری ہلنے لگا کلیجا
آنکھوں نے بھی دکھایا جوش و خروشِ دریا	میں اس گداز دل سے سمجھا یہ راز سمجھا

عکس آئینہ کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

شمعیں وہ جھلملائیں، وہ آفتاب نکلا!	وہ صبح مسکرائی، وہ **جوش** نور پھیلا!
"خوش آمدید" کہہ کر سینے میں دل وہ تڑپا!	وہ اُٹھ گئیں نگاہیں، کھنچنے لگا وہ پردا!!
عکس آئینہ کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے	تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے!

# حقیقتِ دل

آئیں اسکول کے احباب سُنیں دردِ مرا | گرم کر دے گا لہو، ہر نفسِ سردِ مرا
آئیں، بیٹھیں، مری تقریر سُنیں غور کریں | عافیت کا کوئی سامان، بہر طور کریں،
کیوں شکایت ہے، کہ "پڑھنے کا اسے شوق نہیں" | "دل میں تحصیلِ کمالات کا کچھ ذوق نہیں
مدرسہ کیوں نہیں آتا" یہ شکایت کیا ہے | کاش پوچھیں تو ترے دل پہ مصیبت کیا ہے؟

آئیں اور جھک کے سُنیں کان لگا کر باتیں
تیغ باتیں ہیں، چھُری باتیں ہیں خنجر باتیں

میں، لڑکپن سے جسے عشقِ کمالات رہا | علم حاصل ہو، اسی فکر میں دن رات رہا
بھائی سے کام تھا مجھ کو نہ کسی ہمسن سے | لڑکے کہتے تھے "کبھی ہم نہیں کھیلے ان سے"
اور اب میں وہی کمبخت کہ پڑھتا ہی نہیں | سامنے علم کا میدان ہے بڑھتا ہی نہیں
دل یہ کہتا ہے کہ اب زیست کے دن ہیں تھوڑے | حرف گھس گھس کے نظر سے کوئی آنکھیں پھوڑے

دوستو! دل میں خیال اب یہی آیا ہوگا
کیوں ہوا اس میں یکایک یہ تغیّر پیدا؟

اپنی تکلیف کے کس طرح بتاؤں اسباب　　ہوگا مجھ سا بھی نہ دنیا میں کوئی خانہ خراب

غور سے اب مرے پڑھنے کی حکایت سنئے
دل کا جبتک نہ کہوں حال کوئی کیا جانے؟

(۱)

ایک تنکا بھی اگر آنکھ میں پڑ جاتا ہے　　آدمی ہے کوئی ایسا جسے چین آتا ہے؟

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

چین لینے دیں بھلا کب مجھے ایسی آنکھیں!
جن کے پردوں میں سمائی ہوں کسی کی آنکھیں!!

(۲)

اکثر آنکھوں کی اذیّت کو بھلا دیتا ہوں　　میز سے بڑھ کے کتاب ایک اُٹھا لیتا ہوں

لیکن آساں نہیں اُس قلب کا شاداں ہونا　　جسکی تقدیر میں لکھا ہو پریشاں ہونا

روبرو آنکھ کے جب وقت کتاب آتی ہے　　اک جھلک صفحۂ قرطاس پہ پڑ جاتی ہے

نقطہ نقطہ نظر آتا ہے مجھے برق لباس　　شمعیں جل اُٹھتی ہیں ہر مرکز و اعراب کے پاس

دیر تک کچھ نظر آتا نہیں جبلی کے سوا　　دفعتاً ہوتی ہے ہر سطر میں جنبش پیدا

حرف دب جاتے ہیں کچھ دیر میں رفتہ رفتہ　　صاف کھنچ جاتا ہے ہر لفظ پہ اُنکا نقشہ!

(۲۲)

جب کیا قصد کریں یاد کتابیں سُنکر
ہم سبق آئے سُنانے کہ اٹھا درد جگر

یک بیک جوش ہوا ذہن و ذکا میں پیدا
اِک ترنّم سا ہوا موج ہوا میں پیدا

دوست کی آئی صدا "حُسن یگانہ میرا
کان رکھتا ہے تو سُن دل سے فسانہ میرا"

"میری آواز کی پابند سماعت تیری"
"گھیر لی ہے مرے جلوے نے بصارت تیری"

عاشقی چیست؟ بگو بندۂ جاناں بودن
دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

جوشِ تعلیم کجا، عشقِ جگر دوز کجا!
محفلِ علم کجا، جلوہ گہِ سوز کجا!

---

# نفسِ مُطمئنّہ

تھے اِک ایسے مقام پر حیدرؓ — کہ ہر آئینہ جان کا تھا خطر
آپ کو تھی مگر نہ کچھ پروا — آپ پر تھا مگر نہ کوئی اثر
کیا اُسے خوف، جو ہو شیرِ خدا! — کیا ڈرے، جو ہو قاتلِ عنتر!
خوف کیا اُس کے دل کو توڑ سکے! — جس نے توڑا ہو قلعۂ خیبر!!
اُس کے سینے میں کیا ہراس آئے! — جس کو کہتے ہوں "نفسِ پیغمبرؐ"!
آپ کے ساتھ تھے حسینؑ اُس وقت — عرض کی "اے امامِ جن و بشر!"
"آپ کو کچھ نہیں خیال اپنا" — "نہ زرہ ہے، نہ ہاتھ میں ہے سپر"
"جان جانے کا ہے یہاں ساماں" — "آپ کو کچھ نہیں ہے فکر مگر"

جوشِ شبیرؑ نے کہا جو کچھ
قول مبنی تھا یہ محبت پر
"ورنہ خدشہ کجا" حسینؑ کجا
کربلا کے تو یاد ہیں منظر؟

خیر جملہ تھا یہ تو معترضہ — پھر اُسی سمت آئیے پھر کر

ختم تقریر جب حسینؑ نے کی ہنس کے کہنے لگے شہ صفدر

"نازپروردۂ خدا و رسولؐ"

"موت کو جانتا ہے فتح وظفر"

"اس سے ڈرتا نہیں ہے باپ ترا"

"موت پر وہ گرے" کہ موت اُس پر!

"دنیا میں آگ لگی ہے میرا دل بہترین خلوت ہے

مناسب ہو تو میرے دل ہی میں چلے آؤ"

موج ہوا کے اندر شعلہ بھڑک رہا ہے، گرمی کی دوپہر ہے سورج دہک رہا ہے

تپتی ہوئی زمیں سے آنچیں نکل رہی ہیں، پتھر سُلگ رہے ہیں، کانیں پگھل رہی ہیں

ہر قلب پھنک رہا ہے، نہ خانہ چاہتا ہے، پردہ میں لُو کے گویا عالم کراہتا ہے

لوٹے رہے ہیں کانٹے اور پھول کانپتے ہیں، طائر سکوت میں ہیں چوپائے ہانپتے ہیں

کیوں جسمِ نازنیں کو لُو میں جلا رہے ہو؟

رومال منہ پہ ڈالے کس سمت جا رہے ہو؟

وقت جلال اپنی شانِ عتاب پر ہے
ٹھہرو! کہ دوپہر کی گرمی شباب پر ہے

دیکھو! یہ میرا مسکن کس درجہ پُر فضا ہے
سایہ بھی ہے میسّر، دریا بھی بہ رہا ہے

پانی ہے سرد و شیریں خنکی بھی دلنشیں ہے
نزدیک و دور کوئی ایسی جگہہ نہیں ہے

دکھتے ہوئے جگر کی حالت دکھاؤں تم کو
ٹھہرو تو بانسری پر "آہیں" سناؤں تم کو!

# سانس لو یا خوش رہو

قسم اُس موت کی اُٹھتی جوانی میں جو آتی ہے
عروسِ نو کو بیوہ، ماں کو دیوانہ بناتی ہے

جہاں سے جھٹپٹے کے وقت اک تابوت نکلا ہو
قسم اُس شب کی جو پہلے پہل اُس گھر میں آتی ہے

عزیزوں کی نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں مرنے والے کو
قسم اُس صبح کی جو غم کا یہ منظر دکھاتی ہے

قسم سائل کے اُس احساس کی جب دیکھ کر اُس کو
سیاہی دفعتاً کنجوس کے ماتھے پہ آتی ہے

قسم اُس سوز کی پیدا جو ہوتا ہے طبیعت میں
اندھیری رات میں رونے کی جب آواز آتی ہے

قسم اُن آنسوؤں کی ماں کی آنکھوں سے جو بہتے ہیں
جگر تھامے ہوئے جب لاش پر بیٹے کی آتی ہے

قسم اُس بے بسی کی اپنے شوہر کے جنازہ پر
کلیجہ تھام کر تازہ دُلہن جب سر جھکاتی ہے

نظر پڑتے ہی اِک ذی مرتبہ مہماں کے چہرہ پر
قسم اُس شرم کی مفلس کی آنکھوں میں جو آتی ہے

قسم اُس درد کی جو ہجر کی راتوں میں اُٹھتا ہے
قسم اُس کرب کی جب روح کھنچکر لب پر آتی ہے

"کہ یہ دُنیا سراسر خواب اور خواب پریشاں ہے
"خوشی" آتی نہیں سینے میں جبتک سانس آتی ہے

---

# مجھے تیری نعمتوں کی خواہش نہیں

بے تعلق ہوں دین و دنیا سے — حُبِّ ثروت نہ فکرِ جنّت ہے

نہ مجھے شوقِ صبحِ آسائش — نہ مجھے ذوقِ شامِ عشرت ہے

نہ تو حور و قصور پر مائل — نہ تو ساقی و مے سے رغبت ہے

نہ تقاضائے منصب و جاگیر — نہ تمنائے شان و شوکت ہے

"کچھ مجھے تیرے در سے مل جائے" — کس منافق کو اس کی حسرت ہے

کیا کروں گا میں نعمتیں لے کر — میری ہر سانس ایک نعمت ہے

تجھ پہ روشن ہے اے مرے مولا — کہ مرے دل میں سوزِ وحدت ہے

"تیرے انعام" کی نہیں خواہش
بلکہ مجھ کو "تری" ضرورت ہے!!!

# برادرِ خُرد

اے رئیس[1] باوفا، اے جوش کی رُوحِ رواں

اے ضیائے خانۂ دل اے چراغِ خانداں

اے کہ طینت میں تری تنہا وفا اندیشیاں

اے کہ فطرت میں تری مضمر محبّت کے نشاں

"فی الحقیقت جوہرِ اجداد کا حامل ہے تو"

اقربا ہیں جس قدر "اعضا" ہیں "لیکن" دل ہے تو"

اے کہ تیرا قلب مرکز ہے خلوص و لطف کا

اے کہ تیری ذات ہے سرچشمۂ صدق و صفا

"بھائیوں" میں تو "محبت" کا نہیں ہوتا پتا

سخت حیراں ہوں یہ جوہر تجھ میں کیونکر آگیا

"بھائی" ہو کر "ظلم و بے مہری" کی تجھ میں خو نہیں!

"قوتِ دل" ہے مرا تو "قوتِ بازو" نہیں!!

[1] برادر سعید رئیس احمد خاں رئیس سلمہٗ

# "دُنیا"

دُنیا ہے دنی، خاک ہے دُنیا کا زر و مال
تذلیل کی بنیاد ہیں یہ حشمت و اجلال

ادبار کوئی چیز ہے دراصل نہ اقبال
وہ سر بھی کوئی سر ہے جو ہونے کو ہے پامال

بیدار ہیں دل جن کے وہ دُنیا سے خفا ہیں
جو پھول کے طالب ہیں وہ کانٹوں سے جدا ہیں

تکلیف کے اسباب کو راحت نہیں کہتے
جو چند نفس ہو اُسے لذت نہیں کہتے

دنیا ہے سرِ ماتم کدہ، مسرت نہیں کہتے
جس شے کو فنا ہو اُسے نعمت نہیں کہتے

آرام کی خواہش نہ کر و قوتِ زر سے
لبریز کر رُوح کو اللہ کے ڈر سے

غدار زمانے کی لگاوٹ سے خبردار!
آگاہ ہو، آگاہ ہو، ہشیار ہو ہشیار!

جھوٹی یہ امیدیں ہیں، پریشاں ہیں یہ افکار
کس نشے میں بدمست ہے دُنیا کے طلبگار!

یہ شاخ ہے وہ جو کبھی پھولی نہ پھلی ہے
دُنیا تجھے ناداں! کدھر لے کے چلی ہے!

کھینچے لئے جاتا ہے کہاں تجھکو زمانہ
سننے کے سزاوار نہیں ہے یہ فسانہ

ے یہ نظم مصنف کی ایک تصنیف [illegible]

دولت ہی کوئی اصل میں شے ہے نہ خزانہ ‌ ‌ ‌ ‌ دھوکا ہے یہ دھوکا ہے، بہانہ ہے بہانہ

واللہ کہ تو حرص کے سانچے میں ڈھلا ہے

حق چھوڑ کے باطل کی پرستش کو چلا ہے

دُنیا جسے کہتے ہیں کثافت کا ہے انبار ‌ ‌ ‌ ‌ خنزیر کی ہڈی سے بھی کچھ بڑھکے ہے مردار

ناپاک ہے بد اصل ہے، کم ظرف ہے بدکار ‌ ‌ ‌ ‌ مردار شکم اس کا، تو پشت اسکی ہے بیمار

مبروص کے داغوں سے عفونت میں سوا ہے

ذلت کا یہ لقمہ ہے، سگوں کی یہ غذا ہے!

تو فخر سے کہتا ہے جسے "عیش و تنعم" ‌ ‌ ‌ ‌ وہ خواب کی جنت ہے، وہ فردوسِ توہم

نالے ہی کی روداد ہیں، نغمہ کہ ترنم ‌ ‌ ‌ ‌ ہے مہرِ فغاں روشنیِ ماہ تبسم!

تو جس کو سمجھتا ہے کہ فردوسِ بریں ہے

دُھندلی سی مسرت کا وہ سایہ بھی نہیں ہے!

جا گورِ غریباں پہ نظر ڈال بہ عبرت ‌ ‌ ‌ ‌ کھل جائیگی تجھ پر تری دُنیا کی حقیقت

عبرت کے لئے ڈھونڈھ کسی شاہ کی تربت ‌ ‌ ‌ ‌ اور پوچھ "کدھر ہے وہ تری شانِ حکومت

"کل تجھ میں بھرا تھا جو غرور آج کہاں ہے؟"

"اے کاسۂ سر بول! ترا تاج کہاں ہے؟"

# خشک سالی

(یہ نظم ۱۹۱۸ء کی خشک سالی پر لکھی گئی تھی)

اے دلِ افسردہ وہ اسرارِ باطن کیا ہوئے؟
سوز کی راتیں کہاں ہیں ساز کے دن کیا ہوئے؟

آنسوؤں کی وہ جھڑی، وہ غم کا ساماں کیا ہوا؟
تیرا ساون کا مہینہ "چشمِ گریاں" کیا ہوا؟

کیا ہوئی بالائے سر وہ لطفِ یزداں کی گھٹا
آسمانِ دل پہ وہ گھنگھور عرفاں کی گھٹا،

اب وہ نالوں کی گرج ہے اب، وہ شورِ فغاں
اب نہ اٹھتا ہے کلیجے سے محبت کا دھواں

اپنے افعالِ سیہ پر اب پشیمانی نہیں
اب پسینے کے ستارے زیبِ پیشانی نہیں

درد کی شدت سے اب دل میں چمک ہوتی نہیں
وہ تپک چھالوں کی، کوندے کی لپک ہوتی نہیں،

ذکرِ مولیٰ سے لبوں پر اب وہ نرمی ہی نہیں
بھاپ سینے سے اٹھے کیا، دل میں گرمی ہی نہیں

اب شرارے سوزِ غم کے دل میں رہتے ہی نہیں
اشک اب پچھلے پہر آنکھوں سے بہتے ہی نہیں

معرفت دل میں، نہ اب وہ روح میں احساس ہے
لوگ کہتے ہیں کہ ہے لیکن ہمیں تو یاس ہے

اب نہ وہ آنکھوں میں اشکِ خوں نہ وہ دل میں گداز
اب نہ وہ شامِ تمنا ہے نہ وہ صبحِ نیاز

خشک ہیں آنکھیں، جبینیں تنگ، سینے سرد ہیں
اب نہ وہ دکھتے ہوئے دل ہیں نہ چہرے زرد ہیں

آہ کی اور دل اُمنڈ آیا" یہ ہوتا ہی نہیں
ڈوب کر ذوقِ فنا میں کوئی روتا ہی نہیں

پھول داغوں سے کھلے تھے جس دِلِ سرشار میں
خاک اب مُدت سے اُڑتی ہے اُسی گلزار میں

آنسوؤں سے نم جو رہتا تھا وہ داماں جل گیا
لہلہاتا تھا جو سینے میں گلستاں، جل گیا

رُوح میں بالیدگی کی قوتیں معدوم ہیں
دونوں آنکھیں آنسوؤں کے فیض سے محروم ہیں

پیچ و خم سے بہنے والا دل کا دریا خشک ہے
وہ بھری برسات یعنی چشم بینا خشک ہے

خون ہے دل میں، مگر پہلی سی طغیانی نہیں
ابر ہے، بادِ مخالف سے مگر پانی نہیں

جب یہ عالم ہے تو بارش کی شکایت کس لئے
بے محل یہ حسرتِ بارانِ رحمت کس لئے

اِک مجسم خشک سالی خود ہماری ذات ہے
ضد ہماری ہستیوں کی "ابر ہے برسات ہے"

رحمتوں سے جوش میں آنے کی خواہش کیا کریں!
خود سراپا قحط ہیں امیدِ بارش کیا کریں!

---

# سراغِ راہرو

یہاں زمیں پہ رگڑ کا نشاں ہویدا ہے
نشانِ ہلال نما راہ میں بتاتے ہیں
غبارِ راہ نشاں ہے کسی تگ و پو کا
ٹپک کے جھاڑیوں سے خون یہ بتاتا ہے
صنم تراش نہ ہو تو صنم نہیں بنتا
یونہیں یہ راہ کہ ہے جس کا نام کاہکشاں
یونہیں یہ گرد سرِ راہ خوشنما تارے

دلیل اس کی ہے سانپ اس طرف سے گزرا ہے
کہ تھوڑی دور پہ آگے سوار جاتے ہیں
یقین ہوتا ہے نقشِ قدم سے رہرو کا
کہ زخم کھا کے ادھر سے شکار بھاگا ہے
قدم نہ ہو تو نشانِ قدم نہیں بنتا
یونہی یہ نقشِ قدم ماہ وشِ تاباں
رواں ہیں جن کی جبینوں سے حسن کے دھارے

زمیں کا نور ہیں اور آسماں کی زینت ہیں
کسی کی شوخیٔ رفتار کی علامت ہیں!!

# برقِ عرفان

خاموش رات اپنا سکہ جما چکی ہے — زلفِ سیہ کمر تک لہرا کے آ چکی ہے

پیشانیٔ فلک پر تارے جھلک رہے ہیں — تکیوں پہ مہوشوں کے عارض چمک رہے ہیں

خاموش ہیں ہوائیں ذرّے جمے ہوئے ہیں — شاخیں جھکی ہوئی ہیں، دریا تھمے ہوئے ہیں

پھولوں کے عارضوں پر باغوں میں اک نمی ہے — شبنم کے موتیوں کی سبزہ پہ شبنمی ہے

خاموشیوں میں "سن سن" آواز آ رہی ہے — لیلائے شب پھریرا شاید اُڑا رہی ہے

وہ غل نہ اب جہاں میں وہ شور و شر رہا ہے — گویا تمام عالم کچھ غور کر رہا ہے

ہستی کا ذرہ ذرہ بےحس ہے سو رہا ہے
لیکن کنول جلائے اِک شخص رو رہا ہے

پیہم ٹپک رہی ہے اِک تشنگی نظر سے — دیدار کی تمنا ظاہر ہے چشمِ تر سے

پلکیں سلگ رہی ہیں لو دے رہے ہیں آنسو — سوزِ دل و جگر سے دوزخ ہیں دونوں پہلو

جذباتِ بیخودی کی ندی اُبل رہی ہے — تخئیل کی سنہری قندیل جل رہی ہے

آنکھیں بتا رہی ہیں صدمے اُٹھے ہوئے ہیں — ناکام زندگی کے حلقے پڑے ہوئے ہیں

گہرا سکوتِ شب کا آہوں میں بہ رہا ہے
تاروں سے بیکسی میں اس طرح کہہ رہا ہے

"اے خوشنما ستارو! شمعیں جلانے والو
گردوں پہ سادگی سے اے جگمگانے والو

آرائشِ جہاں کی خاطر سنورنے والو
ہاں صورتِ سرمدی پر اے رقص کرنے والو

اک بات میری مانو صدقے میں اس ضیا کے
جب گلشنوں میں جھونکے چلنے لگیں ہوا کے

جب آسماں پہ کچھ کچھ رنگین دھاریاں ہوں
جب بادلوں کے ٹکڑے زرتار و زرفشاں ہوں

لپٹے ہوئے تڑپ میں دیوار و در کھڑے ہوں
ہلکی سی چاندنی کے ہیرے جڑے ہوئے ہوں

کچھ نور کچھ سیاہی جس وقت مل رہے ہوں
فردوس کی ہوا سے جب پھول کھل رہے ہوں

ہلکا سا اک گلابی پرتو ہو جب فضا میں
سبزے پہ لہر دوڑے خنکی ہو جب ہوا میں

جس وقت "صبحِ صادق" مشرق سے جگمگائے
جیسے ہی آج نم میں "حسنِ ازل" سمائے!

کہنا کہ ایک بندہ مدت سے رو رہا ہے
رو رو کے بیکسی میں جان اپنی کھو رہا ہے

رونے کا چشمِ تر سے گویا معاہدہ ہے
معبودا! یہ ہمارا عینی مشاہدہ ہے

ہم کانپتے ہیں کچھ یوں شب بھر کراہتا ہے
اور تجھ سے صرف آنا اے دوست چاہتا ہے

جب صبح کا ستارہ ذروں کو جگمگا دے
تو اک ذرا نکل کر پردے سے مسکرا دے!!"

# پانچ نغمے

## (۱)

صبح کے پرتو میں ہے جلوہ ترا رات کو تاروں میں ہے تیری ضیا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

قابلِ عبرت ہے دنیا کا مقام تخت اگر ہے آج تو کل بوریا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

دیدنی ہے مقبروں کی خوابگاہ ایک ہی بستر پہ ہیں شاہ و گدا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

غنچۂ شاداب صحنِ باغ میں مسکراتے ہی پریشاں ہو گیا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

پھٹتے دیکھے حباب آسا جہاز ڈوبتے دیکھے سفینے بارہا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

زندگی نے سیکڑوں ساماں کئے موت نے آ کر پشیماں کر دیا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

ذرہ ذرہ سے عیاں ہے انقلاب
لمحہ لمحہ پر بدلتی ہے ہوا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

دب گئے کیا کیا خزانے خاک میں
چل بسے کیا کیا عزیز و آشنا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اُٹھ گئے ایک ایک کر کے دہر سے
کیسے کیسے دوستانِ باصفا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

چاند کے ٹکڑے جنہیں کہتے تھے لوگ
خاک کے پیوند ہیں وہ مہ لقا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

جاگنا سیکھا تھا جن سے روح نے
سو رہے ہیں قبر میں وہ دلربا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اُن کو رکھا ہے اندھیری قبر میں
جن سے وابستہ تھا جینے کا مزا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

صبح کو تھا نغمۂ ساز و سرود
شام کو ہے گریۂ آہ و بکا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

خود بخود اُٹھتی ہے دل میں ہوک سی
صبح کو چلتی ہے جب ٹھنڈی ہوا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اس طلسمِ حیرت و نیرنگ کی　　　جانتا ہوں ابتدا و انتہا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

واہ کیا ساماں ہیں میرے واسطے　　　خشک سالی، جنگ، محکومی، وبا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

مٹتے دیکھیں آرزوئیں بے شمار　　　ٹوٹتے دیکھے ارادے بارہا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

جل اُٹھی شمعِ تمنائے یزید　　　گل ہوا فانوسِ بزمِ کربلا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

"اب بھی چونک اے جوش گہری نیند سے"　　　شب کے سناٹے میں آتی ہے صدا

پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

(۲)

نہ اہلِ خرد کی ملامت سے ڈرنا　　　نہ اہلِ جہاں کی شرارت سے ڈرنا

نہ دنیا کی فانی حکومت سے ڈرنا　　　نہ طاقت نہ قوت نہ حشمت سے ڈرنا

جو ڈرنا تو داغِ محبت سے ڈرنا

بلاؤں سے ڈرنا نہ آفت سے ڈرنا — نہ غم سے نہ دردِ مصیبت سے ڈرنا
نہ تکلیف سے اور نہ محنت سے ڈرنا — نہ دوزخ نہ شورِ قیامت سے ڈرنا

جو ڈرنا تو داغِ محبت سے ڈرنا

نہ بیرحم اربابِ ثروت سے ڈرنا — نہ بیدرد اہلِ قرابت سے ڈرنا
نہ ذکر تباہیٔ و وحشت سے ڈرنا — نہ فکرِ خرابیٔ صحت سے ڈرنا

جو ڈرنا تو داغِ محبت سے ڈرنا

(۳)

مرے قلب کو زندگی دو جلاؤ — حقیقت کی محفل سے پردہ اٹھاؤ
میں قطرہ ہوں مجھ کو سمندر بناؤ — کچھ اس طرح تا دیر نغمے سناؤ

یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

مہکتے ہوئے پھول کے پاس آؤ — لچکتی ہوئی شاخ پر بیٹھ جاؤ
ہوائیں کبھی اڑ کے بازو ہلاؤ — کبھی صاف چشمہ میں غوطہ لگاؤ

یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

پھدک کر اِدھر سے اُدھر دوڑ جاؤ — چہک کر اُدھر سے اِدھر پر ہلاؤ

چمک کر کبھی شاخ پر چہچہاؤ  اُچھل کر کبھی نہر پر گنگناؤ

یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

کبھی برگِ تازہ کو منہ میں دباؤ  کبھی کنج میں بیٹھ کر پھڑپھڑاؤ
کبھی گھاس پر لوٹ کر دل لبھاؤ  کبھی جا کے بیلوں کو جھولا بناؤ

یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

نہیں جاگتی روح میری جگاؤ  میں غفلت میں ہوں دل پہ چرکے لگاؤ
کوئی سرمدی ساز کی گت بجاؤ  مجھے اپنے نغموں کے معنی بتاؤ

یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

میں بیتاب ہوں مجھ کو جلوہ دکھاؤ  میں گمراہ ہوں مجھ کو رستہ بتاؤ
نہ جھجکو نہ سمٹو نہ کچھ خوف کھاؤ  مرے پاس آؤ، مرے پاس آؤ

یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

(۴)

بلاؤں سے نہ دنیا کی کسی مشکل سے ڈرتے ہیں  نہ موجِ خوں نہ جورِ خنجرِ قاتل سے ڈرتے ہیں
ہم اس رنگین رخوں پر مرنے والے دل سے ڈرتے ہیں

سمجھتے ہیں نہ سحر سامری ہی کی حقیقت کچھ — نہ زور جذب و کشش مرشد کامل سے ڈرتے ہیں

ہم اس رنگیں رخوں پر مرنے والے دل سے ڈرتے ہیں

بہت ہیں جو لرز جاتے ہیں شیطاں کے تحیر سے — بہت ہیں جو خیال دوری ساحل سے ڈرتے ہیں

ہم اس رنگیں رخوں پر مرنے والے دل سے ڈرتے ہیں

(۵)

حیراں ہوں نہایت آخر یہ خبط کیا ہے — کس دوست گمشدہ کو جنگل میں ڈھونڈھتا ہے

کس نیند میں ہے بندے ہر سانس میں خدا ہے

تجھکو جانا ہے جسکی دونوں ہیں اس سے خالی — دروازہ کھول دل کا دیر و حرم میں کیا ہے

کس نیند میں ہے بندے ہر سانس میں خدا ہے

کرتا ہے جبہ سائی کیوں مقبروں میں غافل — تو دل کی زندگی کو مردوں سے مانگتا ہے

کس نیند میں ہے بندے ہر سانس میں خدا ہے

دل ہے تو سب کہیں ہے ورنہ کہیں نہیں ہے — کیا خوب قول تیرا اے جوش بے نوا ہے

کس نیند میں ہے بندے ہر سانس میں خدا ہے

# ہماری سیر

لوگ ہنستے ہیں، چہچاتے ہیں
شام کو سیر سے جب آتے ہیں
لیمپ کی روشنی میں یاروں کو
داستانیں نئی سُناتے ہیں

ہم پلٹتے ہیں جب گلستاں سے
آہ بھرتے ہیں، تھرتھراتے ہیں
میز پر پیر سے پھینک کر ٹوپی
ایک کرسی پہ لیٹ جاتے ہیں

آپ سمجھے یہ ماجرا کیا ہے؟
سُنیئے ہم آپ کو سُناتے ہیں
وہ لگاتے ہیں صرف چکر ہی
ہم مناظر سے دل لگاتے ہیں
وہ نظر ڈالتے ہیں لہروں پر
اور ہم تہ میں ڈوب جاتے ہیں
گھر پلٹتے ہیں وہ "ہوا" کھا کر
اور ہم "زخم" کھا کے آتے ہیں

# فلسفۂ مسرّت

نہ ہنس یوں مجھ پر اے منعم کہ یہ بے یار و ناصر ہے
خوشی اسکو کہاں حاصل کہ دُنیا اس سے نافر ہے

سن اے نادان مری باتیں کہ ہر فقرہ جواہر ہے
سبق باطن سے لے کیوں کشتۂ اسباب ظاہر ہے

جو تہ میں ڈوب جاتا ہے وہی آخر اُبھرتا ہے
تجھے معنی سے کیا مطلب کہ تو صورت پہ مرتا ہے

یہ مانا میں گدا، مضبوط تو انعامِ دنیا سے
تری محفل گلستاں، کام مجھ کو کوہ و صحرا سے

موافق ہے مزاج دہر تیری ہر تمنّا سے
مجھے اک بوند بھی ممکن نہیں ثروت کے دریا سے

بظاہر تو بہت بشاش میں غمگین و مضطر ہوں
مگر با ایں ہمہ دیکھا تو میں ہی تجھ سے بہتر ہوں

خوشی کی جستجو ہے تجھکو ساز و برگِ ثروت میں
خوشی کو تو سمجھتا ہے کہ پوشیدہ ہے دولت میں

خوشی کا جوش ہوتا ہے ترے نزدیک راحت میں
مُہوَس! جوہرِ عرفاں نہیں تیری طبیعت میں

رُخِ مہرِ درخشاں میں نہ مہ میں مسکراتی ہے
خوشی بہتے ہوئے اشکوں کی تہ میں مسکراتی ہے

یہ راتیں کامرانی کی یہ جلسے عیش و عشرت کے
نگاہِ اہلِ دل کیواسطے ساماں ہیں عبرت کے

حقیقی جنکو تو سمجھا ہے وہ معنی مسرت کے
غلط ہیں کاش تو سمجھے یہ گہرے راز فطرت کے

نہ ایوانوں میں شاہوں کے نہ زرداروں کی محفل میں
مسرت کا خزانہ ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل میں

سن اے غافل کہ غم ہی میں خوشی کا راز ہے پنہاں
شکستہ ساغرِ دل میں چھلکتی ہے مئے عرفاں

جسے گھیرا ہو صدموں نے وہی انسان ہے انساں
درِ رحمت دلِ بیتاب ہے اور دیدۂ گریاں

تڑپ اے دل تڑپنے ہی سے باطن جگمگاتا ہے
ستارے کانپتے رہتے ہیں شعلہ تھرتھراتا ہے

جسے تو غم سمجھتا ہے خزانہ ہے مسرت کا
جسے تو چشمِ تر کہتا ہے سرچشمہ ہے رحمت کا

ہر آہ سرد جھونکا ہے نسیمِ باغِ راحت کا
ہر آنسو آئینہ ہے اصل میں تصویرِ جنت کا

یہ نوحے سوئیں گے اک روز آغوشِ ترنم میں
یہ آنسو جذب ہو جائینگے حوروں کے تبسم میں

بنا اپنے دلِ بیتاب کو اک سوز کی دنیا
مثالِ جوش آنکھوں سے بہا اشکوں کا اک دریا

مصائب میں خوشی کو ڈھونڈھ اگر ہے عاقل و دانا
ڈبو دے دل کو غم کے بحر میں اور اس قدر گہرا

کہ جب تو تہ پہ آئے کھینچ کے دم مشکلکشائی کو
حیاتِ دائمی کی لہر دوڑے پیشوائی کو!!

# محسوسات

# محسوسات

تاریک رات اپنی سیاہی میں جس طرح — ہے التجائے نور کو پنہاں کئے ہوئے
یُونہیں ترے خیال میں بیٹھا ہُوا ہوں میں — آنکھوں کو بند دل کو فروزاں کئے ہوئے

پپیہا جب تڑپتا ہے گھٹا میں "پی کہاں" کہہ کر — ہماری رُوح سوزِ عشق سے اس طرح جلتی ہے
تلاشِ تربتِ عاشق میں کوئی نازنیں جیسے — بلا کی دھوپ میں پتھر پہ ننگے پاؤں چلتی ہے

بھری برسات میں جس طور سے بجلی چمکتے ہی — یکایک رات کی گہری سیاہی کانپ جاتی ہے
یُونہیں خاموش اور ٹھہرے ہوئے سینے کی خلوت میں — تڑپ جاتا ہے دل جس وقت تیری یاد آتی ہے

اندھیرا کرنے والے دن کو ساون کے سیہ بادل — سمندر کی طرح لبریز ہیں جس طرح پانی سے
یُونہیں دوشیزگی کے جوش سے اے فتنۂ محشر — تری آنکھیں چھلکتی ہیں شرابِ ارغوانی سے!

زندگی کہتی ہے "غافل! میں فنا کا باب ہوں
عافیت سے دور رکھتی ہوں، اذیت سے قریب
چھیڑتے ہیں سازِ غم جس سے وہ مضراب ہوں
منتشر بادل کا سایہ ہوں، پریشاں خواب ہوں"

باتوں میں عقل و فہم کا آتا نہیں ہے نام
سب سے زیادہ تھکتا ہے اُسوقت "عقلمند"
تقریریں دلیل سے رہتا نہیں ہے کام
جس وقت بیوقوف سے ہوتا ہے ہمکلام

ڈرو دُنیا سے، بے شرمی پہ یہ مجبور کرتی ہے
امید دل کو نیا کرتی ہے، کہنہ جسم انساں کو
خرد کے آئینہ کو دوست بنکر چور کرتی ہے
فنا کے پاس لاتی ہے، خدا سے دُور کرتی ہے

دل کا ایمان کے خورشید سے مشرق ہونا
"راستگوئی" کی ہے دراصل یہ جامع تعریف
قوتِ عقل کا فطرت کے موافق ہونا
نطق کا وضعِ الٰہی کے مطابق ہونا

اِک وبا ہے عالمِ اخلاق میں اُس کا وجود
اُس کمینے سے حذر کر، بھاگ اُس منحوس سے
تجھ میں اک ذرّہ بھی غیرت ہو تو اُس ظالم سے ڈر
خرچ کر ڈالے جو "عزت" اور بچالے مال و زر"

زندگی کیا لذت عصیاں کی ناداں غور کر
برق رو دھارے پہ اک تنکا ہے جو بہ جائے گا
دیکھتے ہی دیکھتے لذت فنا ہو جائے گی
اور عذاب اُس کا ہمیشہ کے لئے رہ جائے گا

کوئی تجھ سا ذلیل و خوار نہیں
کوئی تیرا رفیق و یار نہیں
بدگماں تجھ کو سارے عالم میں
ایک پر بھی تو اعتبار نہیں

---

بیزار ہے ایمان و وفا سے حاسد
نافر ہے رہ و رسم صفا سے حاسد
بندوں ہی سے کچھ اسکو نہیں ہے نفرت
ناراض ہے تقدیر خدا سے حاسد

دنیا میں کسی پر نہ تعدی کرنا
دل جس سے دُکھے بات نہ ایسی کرنا
اِک روز خدا کو مُنہ دکھانا ہے ضرور
بندے! کبھی بن پڑے تو نیکی کرنا

دیکھا دُنیا کے کارخانے کو
مکر کو، زور کو، بہانے کو
ہم زمانے کو کیا کہیں ابتر
ہم ہی بدتر مِلے زمانے کو

مجھ کو دیکھا ہے مصیبت میں تو اب آتے نہیں
اپنے وعدوں سے ستم ایجاد شرماتے نہیں
جن کے وعدے تھے "بہا دینگے پسینے پر لہو"
خون پر میرے پسینہ بھی وہ ٹپکاتے نہیں

ہم کہیں گے کبھی نہ اُس کو غریب
جس کو ملتی ہو اک حقیر رقم
اصل میں وہ غریب ہے جس کا
"خرچ" زائد ہو اور "آمد" کم

وصل اور ہجر میں نہیں کوئی فرق
"ہجر" کیا شے ہے؟ اک عذاب شدید
اور تو وصل پر جو مرتا ہے
"وصل" بھی ہے "فراق کی تمہید"

## نزع

آتی ہیں ٹھہر ٹھہر کے سانسیں
اب موت سے لو لگا رہا ہوں
منزل ہے قریب خوف غالب
رک رک کے قدم اٹھا رہا ہوں

بے وجہ نہیں ہے یہ بھڑکنا دل کا
یوں آگ کے مانند بھڑکنا دِل کا
ہاں زیست کا قفل توڑ دینے کے لئے
ضربات مسلسل ہیں "دھڑکنا" دل کا

انداز دلنشیں سے بصد عشوہ و ادا
لیلیٰ کی طرح پردۂ محمل میں بیٹھ جائیے
بہتر نشانہ باز وہی ہے جو سوچ کر
ایسی درست بات کہے دل میں بیٹھ جائے

دشوار ہے اِس بزم میں جینا میرا
گرداب میں آیا ہے سفینا میرا
کچھ آج وہ کثرت ہے حسینوں کی یہاں
ہے چوبۂ قصّاب پہ سینا میرا

رات کی خامشی میں تیرا خیال
دافعِ غم ہے، وجہِ تسکیں ہے
برق سے بھی ہے بڑھ کے کچھ شفّاف
خواب سے بھی زیادہ شیریں ہے

غور کر نیند کی فراغت سے
موت کتنی بلند پایہ ہے
"زندگی" کیا ہے؟ دھوپ آتش ریز
"سانس" کیا ہے؟ دھوپ کا سایہ ہے!

خامکاروں کو حُسن دُنیا کا
ایک عشوہ میں پھانس لیتا ہے
کیا کہوں کس طرح جوانی میں
دل اُمنگوں کی سانس لیتا ہے!

# رعشۂ پیری

نگہ بے نور ہو کر رات کا منظر دکھاتی ہے  تنفس آہ بھرتا ہے، فضا لوری سناتی ہے
ضعیفی کا یہ رعشہ جس سے جنبش میں ہیں سب اعضا  یہ ہے در اصل کیا؟ کچھ عقل میں یہ بات آتی ہے
یہ ہے اک "پالنا" ڈوری ہلاتی ہیں رگیں جس کی
یہ اک "جھولا" ہے جس میں زندگی کو نیند آتی ہے

# عبادت

عبادت کرتے ہیں جو لوگ جنت کی تمنا میں  عبادت تو نہیں ہے، اک طرح کی وہ "تجارت" ہے
جو ڈر کر نارِ دوزخ سے خدا کا نام لیتے ہیں  عبادت کیا وہ خالی بزدلانہ ایک خدمت ہے
مگر جب شکرِ نعمت میں جبیں جھکتی ہے بندے کی
"وہ سچی بندگی" ہے، اک شریفانہ "اطاعت" ہے

# حقیقتِ حال

ازل کے روز تری شکل جب بنائی تھی
بنانے والے کو اتنی پسند آئی تھی

کہ دیر تک تجھے دیکھا کیا تھا حیرت سے
نظر جمائی تھی رخسار پہ محبت سے

نظر نے اپنا کیا کام ایک مرکز پر
سیہ نشاں بنایا نگاہ نے جم کر

خبر بھی ہے تجھے؟ یہ سوزشِ نہاں ہے وہی
سمجھ رہا ہے جسے "خال" یہ نشاں ہے وہی

# حُسنِ مجازی

ذریعہ ہے دماغوں کیلئے نازک خیالی کا
مجازی حُسن اک باریک سا پردہ ہے جمالی کا

نظر کو طالبِ دیدار کی جو صاف کرتا ہے
اور اتنا چھانتا ہے اسقدر شفاف کرتا ہے

کہ آجاتا ہے اتنا نور انساں کی بصارت میں
نگہ لغزش نہیں کرتی ہے پھر بزمِ حقیقت میں

نہ دل میں خوف رہتا ہے نہ آنکھیں ہی جھپکتی ہیں
بہ آسانی نگاہیں روئے جاناں دیکھ سکتی ہیں

جہاں تک ہو سکے حُسنِ مجازی پر نظر ڈالو
اور اُس کے نُور سے اپنی نگاہیں صاف کر ڈالو

# غزلیات

# نالۂ سحر

پچھلا پہر ہے غرقِ رازو نیاز ہو جا ——— بیتاب ہیں نگاہیں سر گرم ناز ہو جا!
دل بجھ رہا ہے اب تو خلوت کدے میں در آ ——— آرائشِ حریمِ سوز و گداز ہو جا!
رگ رگ میں سوز دوڑا سینے کو مشتعل کر ——— طوفانِ دلبری بن طغیانِ ناز ہو جا!
اشکوں میں رہنے والے آنکھوں کے سامنے آ ——— اے رازِ دل، سراپا افشائے راز ہو جا!
یوں مسکرا کہ گم ہو "صبحِ ازل کا جلوہ" ——— اے حُسن بے نیازی، خورشیدِ ناز ہو جا!
کیفِ شگفتگی دے افسردہ خاطری کو ——— ہو جا ذرہ اِدھر بھی او عشوہ ساز ہو جا!
مخمور کر فضا کو، بے حس مجھے بنا دے ——— اے سرمدی ترانے، طاقت گداز ہو جا!
مشعل کی آرزو ہے، تاریک خانماں ہوں ——— باطن کی انجمن میں اے برقِ ناز ہو جا!
مدت سے مضطرب ہے میری نیاز مندی ——— پابندِ آشنائی او بے نیاز ہو جا!

اے جوش کھول آنکھیں وہ کوئی آ رہا ہے
ذرّوں پہ سر جھکا دے غرقِ گداز ہو جا!

تجھے اِس سے زیادہ کوئی سمجھا ہی نہیں سکتا ——— "خدا وہ ہے جو حدِ عقل میں آ ہی نہیں سکتا"
مرا دل عزتِ فانی پہ اِترا ہی نہیں سکتا ——— ترے دھوکے میں اے دُنیا کبھی آ ہی نہیں سکتا

رموزِ معرفت کو "معنیٔ بے لفظ" کہتے ہیں
یہ وہ باتیں ہیں جن کو ناطقہ پا ہی نہیں سکتا

اُنہیں اِسکی تمنّا "شرح سُن لوں سوزِ باطن کی"
مجھے اسکی پشیمانی کہ "سمجھا ہی نہیں سکتا"

جو ہر جُنبش کے پیچھے اک سکوں محسوس کرتا ہو
کبھی وہ اضطرابِ دل سے گھبرا ہی نہیں سکتا

جسے حِس ہو گیا "یہ عقل اِک طوقِ غلامی ہے"
قیامت تک کبھی وہ ہوش میں آ ہی نہیں سکتا

عقائد نے مرے دی اس کو آزادی جفاؤں کی
سمجھ رکھا ہے اُس نے زہر یہ کھا ہی نہیں سکتا

گُدازِ دل سے باطن کا تجلی زار ہو جانا
محبت اصل میں ہے روح کا بیدار ہو جانا

نویدِ عیش سے اے دل ذرا ہشیار ہو جانا
کسی تازہ مصیبت کے لئے تیار ہو جانا

وہ اُن کے دل میں شوقِ خود نمائی کا خیال آنا
وہ ہر شے کا تبسم کے لئے تیار ہو جانا

مزاجِ حُسن کو اب بھی نہ سمجھو تو قیامت ہے
ہمارا اور وفا کے نام سے بیزار ہو جانا

سحر کا اُس طرف انگڑائی لینا دلفریبی سے
اِدھر شاعر کے محسوسات کا بیدار ہو جانا

توسّل سے ترے دل میں بھر دو نگاہیں برقی
ذرا میری طرف بھی اے نگاہِ یار ہو جانا

وہ آرائش میں سب قدرت کسی کا صرف کر دینا
تحمل ہیں وہ ہر کوشش مری بیکار ہو جانا

معاذاللہ اب یہ رنگ ہے دنیا کی محفل کا
خدا کا نام لینا اور ذلیل و خوار ہو جانا

رگوں سے خون سارا زہر بنکر پھوٹ نکلے گا
ذرا اے جوشِ ضبطِ شوق سے ہشیار ہو جانا

جب فضائے قدس میں پرچشم اُڑا تقدیر کا
عقل سجدے میں گری، سر جھک گیا تدبیر کا

وجد کے قابل تھا راہِ سعی میں میرا ثبات
دل نہ دھڑکا، گو قدم کانپا کیا تدبیر کا

کہتے ہیں جس کو "مسرت" اک خیالی چیز ہے
سونگھنا ہے کیا اِسے یہ پھول ہے تصویر کا

طے کئے بیٹھا ہوں کب سے شرمساری کی حدیں
مرتبہ پوچھے کوئی مجھ سے مری تقصیر کا

وائے قسمت، دل بھر آیا ہونٹ تھرانے لگے
ہو چلا تھا کچھ اثر اُن پر مری تقدیر کا

کچھ سمجھ کر میں جھکا اپنی پرستش کے لئے
جاہلوں نے مجھ پہ فتوےٰ دیدیا تکفیر کا

ہوتی جاتی ہیں اِدھر بے نور آنکھیں نزع میں
اُٹھتا جاتا ہے اُدھر پردہ تری تصویر کا

دیدۂ گریاں میں غلطاں ہے ترا عکسِ جمال
میرا آنسو ہے کہ "شیشہ" ہے تری تصویر کا

اہلِ عالم کو مبارک جوشؔ فانی عز و جاہ
فخر کافی ہے مجھے ہمنامیِ شبیرؔ کا

ہم نے نکالیں سیکڑوں راہیں کچھ بھی سکونِ غم نہ ہوا
جان کو کچھ آرام نہ پہونچا، دل کا دھڑکنا کم نہ ہوا

کیا نزع کی تکلیفوں میں مزا جب موت نہ آئے جوانی میں
کیا لطف جنازہ اُٹھنے کا ہر گام پہ جب ماتم نہ ہوا

اشکوں کے نکلنے میں ہے تسلی، دل کے تڑپنے میں ہے مزا

واللہ کہ وہ اِنسان نہیں، اِس راز سے جو محرم نہ ہُوا

جب سے نگاہیں تم سے لڑائیں، عیش گیا آرام گیا
کس صبح کو آہ سردِ نہ کھینچی، کونسی شب ماتم نہ ہُوا

راحت کا جہاں میں نام نہیں، ایذا کے سوا آرام نہیں
جس روز سے دل نے یہ سمجھا، اُس روز سے کوئی غم نہ ہُوا

گھر بھر میں کسی کا پرتو تھا، قندیلِ تصوّر روشن تھی
کیا وجد کے قابل تھا یہ سماں کل رات کو تو ہمدم نہ ہُوا

ساری دنیا ہے ایک پردۂ راز
اُف رے تیرے حجاب کے انداز

موت کو اہلِ دل سمجھتے ہیں
زندگانیِ عشق کا آغاز

مر کے پایا شہید کا رتبہ
میری اس زندگی کی عمر دراز

کوئی آیا، تری جھلک دیکھی
کوئی بولا، سُنی تری آواز

ہم سے کیا پوچھتے ہو ہم کیا ہیں؟
"اِک بیاباں میں گم شدہ آواز"

تیرے انوار سے لبالب ہے
دل کا سب سے عمیق گوشۂ راز

آ رہی ہے صدائے ہاتفِ غیب
جوشؔ ہمتائے حافظِ شیراز

پہونچکر عالمِ وحدت میں دل سے کام لیتے ہیں
جب آدھی رات آجاتی ہے اُن کا نام لیتے ہیں

برس جاتے ہیں موتی برق سی اک کوند جاتی ہے
کچھ اس انداز سے وہ مسکرا کر جام لیتے ہیں

کوئی اس کوششِ اخفائے رازِ عشق کی حد بھی
کہ خلوت میں بھی آہستہ کسی کا نام لیتے ہیں

یہ سن کر ہم نے میخانہ میں اپنا نام لکھوایا
جو میکش لڑکھڑاتا ہے وہ بازو تھام لیتے ہیں

سحر تک چاند میرے سامنے رکھتا ہے عکس اُنکا
ستارے شب کو میرے ساتھ اُن کا نام لیتے ہیں

نہیں معلوم کیا کھوئی ہوئی شے یاد آتی ہے
ہوا جب سرد چلتی ہے کلیجہ تھام لیتے ہیں

قریبِ رہگذر تربت کا ہونا بھی قیامت ہے
ادھر سے جو گزرتے ہیں تمہارا نام لیتے ہیں

بے سبب میں طلبِ دوست پہ مجبور نہیں
دل میں کیا گھاؤ نہیں؟ آنکھ میں ناسور نہیں

رسمِ اُلفت کا اب اس عہد میں دستور نہیں
تم یہ کہتے ہو تو جینا ہمیں منظور نہیں

جبکہ مدت سے یہی پیشۂ آبا ہے تو ہم
صاحبِ سیف و قلم ہوں تو کوئی دور نہیں

حسرتِ وصل ہے اور داغ نہیں سینے میں!
خواہشِ دید ہے، اور آنکھ میں ناسور نہیں

کاروبار اپنی محبت کا وہاں ہے کہ جہاں
قیمتِ جنسِ ثمر و مایۂ منصور نہیں

اب کھلا راز درِ دوست پہ سجدہ کرکے
"آسمانوں کی بلندی تو کوئی دور نہیں!"

داغِ ہستی کو بہر طور مٹا ہی دیں گے
اپنے دامن پہ یہ دھبہ ہمیں منظور نہیں

جھلملاتے ہوئے تاروں میں یہ سنتا ہوں صدا
رونے والے میں ترے پاس ہوں کچھ دور نہیں

مسکراتے ہوئے آتے ہیں وہ میت پہ مری
روح قالب میں پلٹ آئے تو کچھ دور نہیں

دعوئے عشق کجا، شورِ انا الحق کیسا!
سانس لینا بھی تری بزم میں دستور نہیں

آپ ہی کچھ نہیں بیزار مرے جینے سے
میں بھی اس زندگیٔ تلخ سے مسرور نہیں

دیر سے دیکھ رہے ہیں وہ ادائیں اپنی
آئینہ ہاتھ سے چھُٹ جائے تو کچھ دور نہیں

اہلِ عرفاں میں عجب چیز ہے ٹوٹا ہوا دل
کتنا بے قدر یہ شیشہ ہے اگر چور نہیں

اُس طرف لیکے چلی حسرتِ دیدار مجھے
کہ جہاں آنکھ اُٹھانے کا بھی دستور نہیں

دیکھ لو بندِ کفن کھول کے تم ایک نظر
اب نہ شرماؤ کہ آنکھوں میں مری نور نہیں

ہو چلی نزع میں اے جوشؔ لبوں کو جنبش
دونوں عالم میں تلاطم ہو تو کچھ دور نہیں

عمارت پر نہ جا، کچھ بھی نہیں شاہوں کی محفل میں
محبت کا خزانہ ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل میں

جب آنکھیں بند کرتا ہوں جھلکتا ہے مرے دل میں
وہ پرتو جو سماتا ہی نہیں ہے چشمِ باطل میں

کبھی جن کا تبسم روح کو بیدار کرتا تھا

وہی اب سو رہے ہیں قبر کی تاریک منزل میں
جب آدھی رات پردہ ڈال دیتی ہے زمانے پر

کوئی در بار کرتا ہے مرے کاشانۂ دل میں
کلی مرجھائی، ٹپکیں شاخِ گل سے خون کی بوندیں

ہوائے گرم یہ کیا کہہ گئی پھولوں کی محفل میں
یہ صورتِ سرمدی ہے جس پہ تارے رقص کرتے ہیں

یہ حسنِ دوست ہے جس کی تڑپ ہے ماہِ کامل میں
نظر نے پالیا ہے انتہائے عیش فانی کو

خوشی کے نام سے اب درد اُٹھتا ہے مرے دل میں
مری راتیں، مری تخئیل، دونوں تجھ سے روشن ہیں

اُتر آ چودھویں کے چاند! رکھ لوں میں تجھے دل میں
مزاجِ خاکساری میں نزاکت ہے قیامت کی

نہ لیجاؤ مجھے مغرور انسانوں کی محفل میں
صدا دی جب درِ دل پر یہ دُنیا نے کہ "حاضر ہوں"

ندا آئی "پلٹ جا، تیری گنجائش نہیں دل میں"

زمانہ ہی بُرا ہے، دُور کیوں جاؤ، ہمیں دیکھو!
جواں ہیں اور کوئی ولولہ باقی نہیں دل میں
سبق لیتا ہے اکثر معرفت کا فلسفہ ہم سے
کہ ہم ڈوبے ہوئے ہیں جوشؔ روحانی مسائل میں

آشنا لبریزِ وفا روح کا پیمانہ ہے
اب تو ہر سانس مری آپ کا افسانہ ہے

ختم ہے عمر، نہ ساقی ہے نہ میخانہ ہے
زندگی اب تو چھلکتا ہوا پیمانہ ہے

پنکھڑی کوئی بھی شبنم سے نہیں ہے خالی
ساقیٔ صبح کا ہر پھول میں میخانہ ہے

عقل مدہوش ہے اور روح دکھاتی ہے چراغ
بے خطر راہِ طلب میں ترا دیوانہ ہے

اے خدا دیکھ کہ اب یہ ہے زمانہ کی روش
جو ترے نام پہ مرتا ہے وہ دیوانہ ہے

شومیٔ بخت سے گو جوشؔ وہ اسنا نہیں
پھر بھی خوش ہوں کہ طبیعت تو فقیرانہ ہے

یقیں ہے دوستو! مجھ کو مرے وقت طلب دل سے
کہ یہ آسانیاں پیدا کرے گا سخت مشکل سے

کبھی سُن لے ارے او سازِ عشرت چھیڑنے والے
عجب آواز آتی ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل سے

بجھی جاتی ہیں شمعیں، دل جلے جاتے ہیں سینوں میں
بتا دینا کہ یہ اُٹھ کر چلا ہے کون محفل سے

جبیں پر سادگی، نیچی نگاہیں، بات میں نرمی
مخاطب کون کر سکتا ہے تم کو لفظِ قاتل سے

---

ے یہاں [illegible] (مصنف)

نہیں ہے آہ میں تاثیر خیر اچھا نکلو اودا — بنا دینا ہمیں ورنہ اس طرح اٹھتے ہیں محفل سے"
وہ اک ہم ہیں جسے کنت ٔ دہاں مجنوں نے گھیرا ہے — وہ اک تم ہو کہ ہنستے ہو تماشا گاہِ ساحل سے
ارے او پوچھنے والے سبب میرے نہ ہنسنے کا! — مجھے رونا بھی اب مدت ہوئی آتا ہے مشکل سے
زمانے میں جب آدھی رات کا ہوتا ہے سناٹا — برابر آپ کی آواز آتی ہے مرے دل سے

سمجھ کر رمز وہ اے جوشؔ ہمراز و نکا ہنس دینا
مرا وہ مطمئن بنکر نکلنا کوئے قاتل سے

دِل کچھ گھٹا ہے، سینہ خالی سا ہو گیا ہے — بیٹھا ہوا ہوں حیراں، کچھ جیسے کھو گیا ہے
کس نے یہ نصف شب میں چھیڑا رباب اپنا — ہستی کا ذرہ ذرہ مدہوش ہو گیا ہے
بیمارِ شامِ غم کی اللہ ری نا اُمیدی! — ملتے ہی تم سے آنکھیں کچھ چپ سا ہو گیا ہے
کس زور میں رواں ہے دریائے غم کا دھارا — آیا ہے جو وہ اپنی کشتی ڈبو گیا ہے
آتا ہے مجھ کو کیا کیا بے اختیار رونا — جب کوئی پوچھتا ہے "کیا تجھکو ہو گیا ہے"؟
آ نکلے ہو تو تم بھی کچھ دل کا حال سُن لو — گذرا ہے جو ادھر سے کچھ دیر رو گیا ہے
کل شب کو چاندنی میں پھر اُسکی یاد آئی — ہم جانتے تھے دل سے وہ محو ہو گیا ہے

چہرے پہ مردنی سی چھائی ہوئی ہے گویا
دو دن میں جوشؔ تیرا کیا حال ہو گیا ہے

یری حالت دیکھئے اور اُنکی صورت دیکھئے
پھر نگاہِ غور سے قانونِ قدرت دیکھئے

یرِ مہتاب و کواکب سے تبسم تابکے؟
رو رہی ہے وہ کسی کی شمعِ تربت دیکھئے!

پ اِک جلوہ سراسر ہیں سراپا اِک نظر
اپنی حاجت دیکھئے میری ضرورت دیکھئے

اپنے سامانِ تعیش سے اگر فرصت ملے
بیکسوں کا بھی کبھی طرزِ معیشت دیکھئے

مسکرا کر اس طرح آیا نہ کیجئے سامنے
کس قدر کمزور ہوں میں میری صورت دیکھئے

آپکو لایا ہوں ویرانوں میں عبرت کے لئے
حضرتِ دل دیکھئے، اپنی حقیقت دیکھئے

صرف اتنے کے لئے آنکھیں ہمیں بخشیں گئیں
دیکھئے دنیا کے منظر۔ اور بہ عبرت دیکھئے

موت بھی آئی تو چہرے پر تبسم ہی رہا؟
ضبط پر ہے کس قدر ہم کو بھی قدرت دیکھئے

یہ بھی کوئی بات ہے ہر وقت دولت کا خیال
"آدمی" ہیں آپ اگر تو آدمیت دیکھئے

پھوٹ نکلے گا جبیں سے ایک چشمہ حسن کا
صبح اُٹھ کر خندۂ سامانِ قدرت دیکھئے

رشحۂ شبنم، بہارِ گل، فروغِ مہر و ماہ
واہ کیا اشعار ہیں، دیوانِ فطرت دیکھئے

اس سے بڑھکر اور عبرت کا سبق ممکن نہیں
جو نشاطِ زندگی تھے اُن کی تربت دیکھئے

تھی خطا اُن کی، مگر جب آگئے وہ سامنے
جھک گئیں میری ہی آنکھیں رسمِ الفت دیکھئے

خوشنما یا بدنما ہو دہر کی ہر چیز میں
جوش کی تخئیل کہتی ہے کہ قدرت دیکھئے

برق سی اِک گرائی جاتی ہے — یوں بھی صورت دکھائی جاتی ہے
لوگ مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں انہیں — لاش میری اٹھائی جاتی ہے
میری میّت پہ کیوں تری تصویر — دوستوں کو دکھائی جاتی ہے
کون آیا ہے لاش پر میری — مُنہ سے چادر ہٹائی جاتی ہے
تم نہ دیکھو! کہ میرے چہرے پر — اِک تمنّا سی پائی جاتی ہے

تیری باتوں میں آجکل پھر جوش
بُو محبت کی پائی جاتی ہے

جب سے مرنے کی جی میں ٹھانی ہے — کس قدر ہم کو شادمانی ہے
شاعری کیوں نہ راس آئے مجھے — یہ مرا فنِّ خاندانی ہے
کیوں لبِ التجا کو دوں جُنبش — تم نہ مانو گے، اور نہ مانی ہے
روح کیا ؟ آہ کی خفیف ہوا — خون کیا ؟ آنسوؤں کا پانی ہے
آپ ہم کو سکھائیں رسمِ وفا — مہربانی ہے، مہربانی ہے
دل ملا ہے جنہیں ہمارا سا — تلخ اُن سب کی زندگانی ہے

کوئی صدمہ ضرور پہونچے گا
آج کچھ دل کو شادمانی ہے

دُور اندیش مریضوں کی یہ عادت دیکھی | ہر طرف دیکھ لیا جب تری صورت دیکھی
آئے اور اک نگہِ خاص سے پھر دیکھ گئے | جبکہ آتے ہوئے بیمار میں طاقت دیکھی
قوتیں ضبط کی ہر چند سنبھالے تھیں مجھے | پھر بھی ڈرتے ہوئے میں نے تری صورت دیکھی
محفلِ حشر میں یہ کون ہے میرِ مجلس؟ | یہ تو ہم نے کوئی دیکھی ہوئی صورت دیکھی
سب یہ کہتے ہیں "اسے اب کوئی آزار نہیں" | کیوں ستمگار! مرے ضبط کی قوت دیکھی؟
اُس کی صورت کو بہت غور سے دیکھا میں نے | سرسری طور سے جس نے تری صورت دیکھی
سونے والوں پہ نہ چمکا کبھی نورِ سحری | رونے والوں ہی کے چہروں پہ صباحت دیکھی
صفحۂ دل پہ جو مقصود تھا گہرا نقشہ | دیر تک شکل تمہاری دمِ رخصت دیکھی
اس قدر پاس بھی ہوتی ہے کہیں دنیا میں | رو دیے ہم جو تری چشمِ عنایت دیکھی

مجھ کو تعلیم سے فرصت ہی کہاں اے شبیر
کہہ لیا شعر کوئی جب کبھی فرصت دیکھی

دلِ آزادہ رو میں وہ تمنا تھی بیاباں کی | قدم رکھتے ہی شق ہونے لگی دیوارِ زنداں کی
تری قوت پہ اے جوشِ نمو دراک حیراں ہے | کہ ہر کانٹے میں تو نے روح دوڑا دی گلستاں کی
پشیماں ہو کے میرے بعد گھر سے اقربہ نکلے | بنانے آئے تھے فہرست میرے ساز و ساماں کی
گھٹا میں برق کی چشمک ستاروں میں درخشانی | یہ تصویریں ہیں کچھ تیرے تبسم ہائے پنہاں کی

کبھی دنیا کے منظر کی طرف پھر ہی نہیں سکتیں
مری آنکھیں کہ ہیں پابند حسن روئے جاناں کی

خدا کی رحمتیں اے مطرب رنگیں نوا تجھ پر
کہ ہر کانٹے میں تو نے روح دوڑا دی گلستاں کی

کلی نے ساز چھیڑا، بلبلوں نے نغمۂ شیریں
ترے آتے ہی گویا جاگ اُٹھی دنیا گلستاں کی

زمیں سے آسماں تک ذرّہ ذرّہ رقص کرتا ہے
شعاعیں پڑ رہی ہیں آفتاب روئے جاناں کی

اُسی انداز سے پھر کھول دیں زلفیں ستمگر نے
کسی کافر سے ہوگی اب حفاظت دین و ایماں کی

یہ ثابت کر دیا تجھ کو بنا کر دستِ قدرت نے
کہ ہو سکتی ہیں اتنی خوبیاں صورت میں انساں کی

مناسب ہو اگر، تو سازِ شادی روک کر دم بھر
ذرا روداد سُن لیتے مرے حالِ پریشاں کی

نسیمِ صبح ٹھنڈی سانس بھرتی ہے مزاروں پر
اُداسی مُنہ اندھیرے دیکھئے گورِ غریباں کی

جھپک جاتی ہے اُن کی آنکھ لیکن میں نہیں سوتا
ستاروں سے حقیقت پوچھ میری چشمِ گریاں کی

یہ عالم کیا ہے؟ اک مجموعہ ہے ناچیز ذرّوں کا
یہ دُنیا کیا ہے؟ اک ترکیب اجزائے پریشاں کی

شبِ مہتاب میں اے سونے والے بسترِ گُل پر
پرستش کر رہا ہے چاند تیرے روئے تاباں کی

سحر کو سانس لی دریا نے دوڑی رُوح لہروں میں
نہانے آئی جب پہلی کرن مہرِ درخشاں کی

حیاتِ عارضی کیا ہے؟ اک لطیفہ اُسکی قدرت کا
قضا کیا ہے؟ رُوح پرور اک ادا اُس آفتِ جاں کی

کنارِ آبجو فصلِ بہاری کی ہواؤں میں
نہ پوچھ اے ہمنشیں لذت جراحتہائے پنہاں کی

ارے او حکم دینے والے مجھ کو دَر سے اُٹھنے کا
جگہ مجھ کو نہ دے گی کیا زمیں گورِ غریباں کی

"ازل" پہلا تبسم اُس لبِ ایجادِ فطرت کا
"قیامت" چند سانسیں آخری ہستی کے ساماں کی

سنا ہے اپنے چہرہ سے کوئی زلفیں ہٹاتا ہے
سحر کے وقت دھیمی روشنی ہیں ماہِ تاباں کی

ہواؤں کے وہ جھونکے، وہ کھلے میدان کی سردی
وہ لہریں چاند سے رخسار پر زلفِ پریشاں کی

سرِ بالیں سحر ہوتے ہی غمخواروں کا مجمع ہے
خُدا جانے بسر کس طرح ہیں مے شامِ ہجراں کی

ٹپک پڑتے ہیں جبکہ اشک بربادی کے قصوں پر
خبر ہو جائے کاش اُن کو مرے حالِ پریشاں کی

نہ لو انگڑائیاں اس طرح اُٹھ کر خوابِ نوشیں سے
کہیں کروٹ نہ لے دنیا مرے جذباتِ پنہاں کی

ہماری زندگی کیا ہے سلسلہ اِک دل دھڑکنے کا
ہماری موت کیا ہے جنبش ہے اِک جذباتِ پنہاں کی

بنا دیں گی یقیں ہے جمع تن مردِ باخدا اِک دن
تپش اندوزیاں سینے میں برقِ سوزِ پنہاں کی

اپنے میں جواب بھولے سے کبھی راحت کا تقاضا پاتا ہے
حالات پہ میرے کر کے نظر، دل مجھ سے بہت شرماتا ہے
اُلجھن سی یکایک ہوتی ہے، دم رُکتا ہے، دل بھر آتا ہے
جب کوئی تسلی دیتا ہے، کچھ اور بھی جی گھبراتا ہے
کس سے ملوں اور کس سے مدد لوں، ہائے مری محرومیِ دل
آغازِ محبت ہی میں زمانہ مجھ سے تمہیں چھڑواتا ہے

آرام سرکنے والا ہے کس شے پہ یہ غسترہ ہے تجھ کو؟
دنیا یہ بدلنے والی ہے؟ کس چیز پہ تو اترانا ہے

کس طرح یہ دل کا رنج ہٹے؟ اللہ میں کیا تدبیر کروں؟
آنسو ہیں کہ اُبلے پڑتے ہیں، دل ہے کہ وہ بیٹھا جاتا ہے

اعلان سحر کو ہوتا ہے یوں حُسن کی شاہنشاہی کا
گردوں پہ سنہرا اک پرچم مشرق کی طرف لہراتا ہے

مشکل میں ہوں اپنی فطرت سے انجام پہ یوں رہتی ہے نظر
جب سازِ مسرت چھڑتے ہیں، بیساختہ رونا آتا ہے

اندازِ ادا سے اے دُنیا تو لاکھ سنور کر سامنے آ
یہ جوشؔ فقیرِ آزاد منش کب دھیان میں تجکو لاتا ہے

تبسم ہے وہ ہونٹوں پر جو دل کا کام کر جائے
اُنہیں اِس کی نہیں پروا کوئی مرتا ہے، مر جائے

دُعا ہے میری اے دل تجھ سے دُنیا کوچ کر جائے
اور ایسی کچھ بنے تجھ پر کہ ارمانوں سے ڈر جائے

جو موقع مل گیا تو خضر سے یہ بات پوچھیں گے

کہدو دُنیا کے حوادث سے نہ چھیڑیں اس طرح
جوشؔ ہم تیار ہی بیٹھے ہیں مرنے کے لئے

تم سے چھڑا رہا ہے زمانہ بہار میں
کیا دخل ہے مشیّتِ پروردگار میں

رگ رگ تڑپ رہی ہے کہ بچھا دوں چشمِ شوق
بیٹھا ہوں گو خموش ترے انتظار میں

موسم ہو کوئی اسکو دھڑکنے سے کام ہے
پارہ بھرا ہوا ہے دلِ بے قرار میں

رونے کے بعد روح کو ہوتا ہے انبساط
لذت چھپی ہوئی ہے غمِ روزگار میں

یُوں ہم اُس شوخ کو پہلو میں لئے بیٹھے ہیں
کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ پئے بیٹھے ہیں

تم سے اظہارِ خیالات کریں یا مر جائیں
آج اس بات کا ہم عہد کئے بیٹھے ہیں

ضد دلانا جو ہے مقصودِ تبسّم کو ترے
ہم پھر آج اپنے گریباں کو سیئے بیٹھے ہیں

ہنس رہے ہیں شبِ عید وہ مکاں میں اپنے
ہم اِدھر عیش کا سامان کئے بیٹھے ہیں

جو مقدر میں ہے وہ ہو کے رہیگا اے جوشؔ
آپ کیوں دل کو پریشان کئے بیٹھے ہیں

جسے ناآشنائے رازِ غم قاتل سمجھتے ہیں
ہم اپنی جان، اپنی روح، اپنا دل سمجھتے ہیں

کچھ اس اندازِ دلجوئی سے آیا ہے وہ محشر میں
کہ ہم دعوے کو اپنے دعوئ باطل سمجھتے ہیں

وہ بعض اوقات تو اس طرح ملتا ہے محبت سے
کہ شرم آتی ہے دل کو ہم کسے قاتل سمجھتے ہیں

بلند و پست راہِ عشق کی مانا کہ مشکل ہیں
مگر کیا حضرتِ جوش آپ بھی مشکل سمجھتے ہیں

بیہوشیوں نے اور خبردار کر دیا
سوئی جو عقل "روح" کو بیدار کر دیا

فطرت نے شام ہوتے ہی دریا کو روک کر
آئینۂ ثوابت و سیار کر دیا

ہم جن تصورات میں رہتے ہیں رات دن
کتنوں کو اس جنوں نے بیکار کر دیا

سوجھا عجیب کاتبِ تقدیر کو مذاق
شاعر بنا کے ہم کو زمیندار کر دیا

دیکھتے ہی انھیں، وہ حال نہ تھا
مجھ کو جیسے کبھی ملال نہ تھا

تیرے ملنے سے قبل بھی مجھ کو
تھا، مگر اس قدر ملال نہ تھا

لوٹ جاتا چمک پہ دنیا کی
میں کوئی طفلِ خورد سال نہ تھا

جمعیتوں نے بڑھ کے پریشاں بنا دیا
گلشن کو رفتہ رفتہ بیاباں بنا دیا

آتا نہ ہوگا راس کسی کو نہ آئے عشق
ہم کو تو تیرے درد نے انساں بنا دیا

جوش مرنے کی جی میں ٹھان لیں
جان لیں گے فلسفہ ہر چیز کا
صدر ہے یہ کون بزمِ حشر میں

اب تو اِس دل ہی کا کہنا مان لیں
پہلے ہم اپنی حقیقت جان لیں
اِک ذرا صورت تو ہم پہچان لیں

روز منہ آنسوؤں سے دھوتے ہیں
یاد آتی ہیں جب تری باتیں
کچھ نہیں اب محال دنیا میں

دل کی ناطاقتی پہ روتے ہیں
ہم کلیجہ پکڑ کے روتے ہیں
میری تربت پہ آپ روتے ہیں

دردِ دل میں جو کم پاتا ہوں
جب کسی کو نہیں پاتا ہمدرد
مجھ سے کہیئے نہ خوشی کے قصے
اللہ اللہ یہ عزت غم کی

کانپ اُٹھتا ہوں تڑپ جاتا ہوں
ہر طرف دیکھ کے رہ جاتا ہوں
ایسی باتوں سے میں گھبراتا ہوں
اب جو ہنستا ہوں تو شرماتا ہوں

کب تک ستم اُٹھائیں کب تک جگر سنبھالیں
شہروں میں گشت کرلیں صحرا میں خاک اُڑا لیں

اب دل میں ٹھان لی ہے جینے سے ہاتھ اُٹھا لیں
تم کو کبھی ڈھونڈھ لیں گے اپنے کو پہلے پالیں

اصطلاحِ بندگی میں رُوح ہیں تابندگی جوشش      چند ذرّے، جن سے پیشانی کی زینت ہوگئی

اس قدر ڈوبا ہوا دل درد کی لذت میں ہے
تیرا عاشق انجمن ہی کیوں نہ ہو، خلوت میں ہے
جذب کر لینا تجلّی، رُوح کی عادت میں ہے
حُسن کو محفوظ رکھنا عشق کی فطرت میں ہے
محو ہو جاتا ہوں کس اثر میں، کہ دشمن ہوں ترا
دلکشی کس درجہ اے دُنیا! تری صورت میں ہے
"اُف نکل جاتی ہے" خطرے ہی کا موقع کیوں نہ ہو
حُسن سے بیتاب ہو جانا مری فطرت میں ہے
اُس کا اِک ادنےٰ کرشمہ "رُوح" وہ اِتنا عجیب
عقل استعجاب میں ہے، فلسفہ حیرت میں ہے
نور کا تڑکا ہے، دھیمی ہو چلی ہے چاندنی
ہل رہا ہے دل مرا، مصروف وہ زینت میں ہے

[illegible]

[illegible]

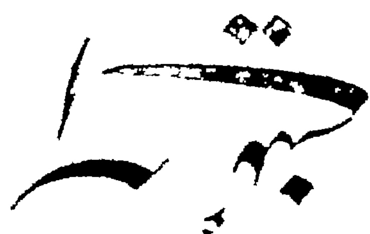
[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]



سحر کو دیدۂ بیدار میں آنسو چھلکتا ہے
یہ فیضِ سوزِ پنہاں ہے کہ راتوں کی خموشی ہیں

حقیقت میں وہ اک دُرہ ہے جس میں تو جھلکتا ہے
جب آنکھیں بند کرتا ہوں مرا پہلو چھلکتا ہے

صبح کو جن پر رشک تھا سب کو جنکے ساتھ اک عالم تھا
سبزہ پہ سحر کو شبنم تھی مصروف تھی بلبل نالوں میں

شام کو جا کر دیکھتے کیا ہیں انکے گھروں میں ماتم تھا
پھولوں پہ غضب کی نرمی تھی غنچوں پہ عجب اک عالم تھا

کہاں آئے ہو تم قبریں ہیں دل سینوں میں ملتے ہیں
مجھے بیساختہ تیرا تبسم یاد آتا ہے

گھنا جنگل ہے تاریکی ہے دونوں وقت ملتے ہیں
لبِ دریا شبِ مہتاب میں جب پھول کھلتے ہیں

"شوق" ناقص "خیال" مہمل ہیں
کیا گذرتی ہیں تیز اور خاموش

پھر یہ دعویٰ کہ "ہم مکمل ہیں"
فرصتیں "گرمیوں کے بادل" ہیں

یوں ہلا دل عرش کا پایہ ہلا کر رکھدیا
لب پہ وقتِ نزع آیا چاہتا تھا انکا نام

بندگی میں جب رجوعِ قلب سے سر رکھدیا
روح نے تن سے نکل کر ہاتھ منہ پر رکھدیا

[illegible]

[illegible]

# ستارے

دیکھ اے نگاہِ باطن! دلچسپ ہیں نظارے
گردوں پہ شاعری کے چھٹکے ہیں کیا ستارے!!

سوچو تو دل میں آخر کس طرح "رات" "دن" ہو؟
جو سانس لے رہا ہو پھر بھی وہ مطمئن ہو!

نظر فریاد کرتی ہے نگاہیں تھرتھراتی ہیں
محبت ہے وہ افسانہ جسے آنکھیں سناتی ہیں

ایک طوفاں ہوں، اک تلاطم ہوں
میں یہ کس کے خیال میں گم ہوں

تم نہیں "میں ہوں" میں نہیں "تم ہو"
صاف کہہ دوں تو اک تلاطم ہو

جس زندگی پہ نازاں یہ صاحبِ ہوس ہیں
وہ کیا ہے؟ فی الحقیقت گنتی کے کچھ نفس ہیں

صبر کی طاقت جو کچھ دل میں ہے کھو دیتا ہوں میں
جب کوئی ہمدرد ملتا ہے تو رو دیتا ہوں میں

دل دھڑکتا ہے اشک بہتے ہیں
ہائے ہم کس بلا میں رہتے ہیں

میرے رونے کا جس میں قصہ ہے
عمر کا بہترین حصہ ہے

اگر سچ پوچھئے اس سے کہیں آسان ہے مرنا
غیور انسان کا نااہل سے حاجت طلب کرنا

ذوقِ کرم نہیں ہے، تابِ جفا نہیں ہے
بُزدل کو زندگی کا کوئی مزا نہیں ہے

وعدہ نہیں ہے، ایک علالت کا جام ہے
ایفائے عہد "روح کی صحت" کا نام ہے

طے ہو رہی ہے منزل، چونکہ وقت کم ہے
ملکِ فنا کی جانب ہر سانس اِک قدم ہے

زر کے خیال میں ہوں نہ فکرِ معاش میں
رہتا ہوں صبح و شام میں اپنی تلاش میں

پنہاں ہے اِس میں راز مری ہست و بود کا
ذوقِ فنا غرور ہے میرے وجود کا

دِل نہ آغازِ دشمنی کرنا
اب کسی سے نہ دوستی کرنا

خوشی سے اجنبی ہوں جان کا کھونا ہی آتا ہے
مجھے لے دیکھ کچھ آتا ہے تو رونا ہی آتا ہے

موت سے قبل "زندگی" کیسی؟
جی رہا ہوں ابھی "خوشی" کیسی؟

نتیجہ جن کا ہے خوش ہوتے ہی مغموم ہو جانا
کہیں بہتر ہے اُن لذّات سے محروم ہو جانا

مشہورِ جہاں ہے میری ہستی
آذر کدۂ صنم پرستی

میری حالت تری فرقت میں سنبھل جائیگی؟
کیا یہ دُنیا ہے کہ دو دن میں بدل جائے گی؟

یہ مانا درد کو حد سے گذر جانا بھی آتا ہے
مگر بیمارِ شامِ غم کو مر جانا بھی آتا ہے

رنگیں رخوں نے ذبح کیا دل کو ریل پر
مرنے کو اور جائیے "پنجاب میل" پر

ہر بُنِ مو سے آہ کرتا ہوں
اُس طرف جب نگاہ کرتا ہوں

کذب شیوہ نہیں مرا میں سخن ساز نہیں — ایسے نغمے کی مرے ساز میں آواز نہیں

بات رہ جائے اس پہ مرتے ہیں — ہم جو کہتے ہیں کر گزرتے ہیں

ٹھنڈی سانسیں ہیں گرم آہیں ہیں — جب سے ہم پر تری نگاہیں ہیں

دل نکلتا نہیں ہے پستی سے — "قبر" بہتر ہے "تنگدستی" ہے

محرومِ التفات ہوں، مایوسِ جبر ہوں — یہ آس بھی نہیں کہ "ابھی زیرِ غور ہوں"

بڑی نمود سے دُنیا میں وہ اُبھرتا ہے — جو کارخانۂ قدرت میں فکر کرتا ہے

سرگرمیوں کی کیا کیا راہیں نکالتی ہیں — انساں کو آرزوئیں دھوکے میں ڈالتی ہیں

ہر چند دلفریب ہے غمزوں میں طاق ہے — عبرت سے دیکھتے ہیں تو دنیا مذاق ہے

یہ نور، یہ دھندلکا، یہ چاند، یہ ستارے ــــ کافر بھی ہو جو کوئی اللہ کو پکارے

بہرِ عبرت کیوں حکایاتِ الم کو دیکھیے ــــ آپ کو آنسو بہانا ہوں تو ہم کو دیکھیے

جو حق پرست ہیں مٹ کر تباہ ہو جائیں ــــ اگر یہ ہو تو ستارے سیاہ ہو جائیں

موت ہے دل کی اور نگاہوں کی ــــ "عشق" پاداش ہے گناہوں کی

موت بھی شیریں ہے اس تکلیف سے ــــ جس پہ دل آیا ہو وہ نفرت کرے

مرے حواس تری شانِ حُسن میں گم ہیں ــــ کہ اک نگاہ اٹھانے میں سو تبسم ہیں

ترے جمال سے میری حیات مشتق ہے ــــ مرا "وجود" مرے واسطے "انا الحق" ہے

نہ دیکھے غور سے اس طرح کہہ دو چشمِ پُرنم سے ــــ مرکب ہے وہ عارض "پنکھڑی" سے اور "شبنم" سے

وہ سروِ ناز حسن کی لہروں میں غرق ہے
آنکھوں میں رس ہے اور نگاہوں میں برق ہے

دنیا کی روشنی ہے ضیا آسماں کی ہے
کہتے ہیں راست گوئی "امانت" زباں کی ہے

عقبیٰ میں عافیت ہے تو دنیا میں نام ہے
کہتے ہیں جسکو "صدق" وہ "روحِ کلام" ہے

ہر گھر سے فزوں عشق میں جنت کا مکاں ہے
اور اُس کے طلبگاروں پہ یہ خوابِ گماں ہے

اس اعتقاد میں پنہاں عجیب حکمت ہے
کشادہ رُوئی سے ملنا بھی اِک عبادت ہے

جنابِ لیڈر کے وعظ و لکچر کو یوں تو بالکل درست پایا
مگر نگاہِ مآل بیں نے عمل جو دیکھا تو سُست پایا

برتاؤ دوستی کی حد سے نکل گئے ہیں
یا تم بدل گئے ہو، یا ہم بدل گئے ہیں

اِک زمانہ سے جُدا جذبات کی ترتیب ہے
غیر معمولی عناصر سے مری ترکیب ہے

ہر اسٹیشن پہ وہ اک زخم کاری دل پہ کھاتے ہیں
سفر کرتے ہیں باہم جھنگ کے میدانمیں جاتے ہیں

رنگیں رسموں نے ذبح کیا دل کو ریل پر
مرنے کو اور جائیے پنجاب میل پر

غمِ فرقت سے کیا کیا جوشِ دل سینوں میں ہلتے ہیں
خصوصاً جب اکیلے گھر میں دونوں وقت ملتے ہیں

ڈر بلندی سے ہے نہ پستی سے
بے تعلق ہیں اپنی ہستی سے

تمہارے سامنے کیوں اشک میرا بہہ نہیں سکتا
اسے محسوس کر سکتا ہوں لیکن کہہ نہیں سکتا

بڑھے جاؤ نہ یوں ڈوبو ذرا غور و تامل میں
ترقی تھک کے سو جاتی ہے آغوشِ تنزل میں

بڑھ کے سامان عیش عشرت کا
خون کرتا ہے "آدمیت" کا

تحیر خیز یہ دنیا کی رت ہے
لبوں پر ہے "خدا" سینے میں "بت" ہے

راحت ہے "وصل" "ہجر" سراپا ملال ہے　　یہ بھی طلسم بندیٔ وہم و خیال ہے

ہر چیز کائنات کی لبریز یاس ہے　　دل کیا اُداس ہے کہ زمانہ اُداس ہے

دل ہل رہا ہے حُسنِ فسونگر کے سامنے　　قطرے میں جزر و مد ہے سمندر کے سامنے

کلیجہ ہل رہا ہے نزع کی حالت ہے جینے میں　　بتاؤ تو کوئی یہ کیا ہوا جاتا ہے سینے میں

یوں مُسکرا رہے ہو کہ دل کو نہ کل پڑے　　کیا چاہتے ہو منہ سے کلیجہ نکل پڑے؟

خموشی دیکھ کر دل زندگی سے ہٹ گیا ہوتا　　اگر تم ہنس نہ دیتے تو کلیجہ پھٹ گیا ہوتا

دل میں برچھی کی طرح تارِ نفس گڑتا ہے　　پاؤں رکھتے ہیں کہاں اور کہاں پڑتا ہے

وہ سامنے ہیں دل میں تلاطم خدا بچائے　　دو ڈاک گاڑیوں میں تصادم خدا بچائے

تھا، مگر مجھ پہ ہجوم بے کسی ایسا نہ تھا ‏ آج ہے دل پہ جو سناٹا کبھی ایسا نہ تھا

حسرتیں دل میں لئے جب سوئے مس[ل] جاتا ہوں میں ‏ روح پر وہ ضرب لگتی ہے کہ پس جاتا ہوں میں

تعجب کیا، اگر تخئیل اسکی تیز رہتی ہے ‏ ترے جلوؤں سے جسکی نیند تک لبریز رہتی ہے

ستارے ہی چمکتے ہیں نہ جگنو ہی چمکتا ہے ‏ ہمیشہ روح کی محفل میں آنسو ہی چمکتا ہے

وہ تم کو دیکھ کے حالت تباہ ہوتی ہے ‏ تمام سانس مری صرفِ آہ ہوتی ہے

چمکے ہلال، اُن کا ابرو کبھی نہ ہوگا ‏ موتی ہزار اُبھرے، آنسو کبھی نہ ہوگا

عشق ہنگامہ اُس کی محفل کا ‏ حُسن اِک گھاؤ ہے مرے دل کا

زمانہ ساتھ دے ہر چند کچھ تسکیں نہیں ہوتی ‏ اگر "محکوم" ہے تو نیند بھی شیریں نہیں ہوتی

کہتے ہو غم سے پریشان ہوئے جاتے ہیں ‏ یہ نہیں کہتے کہ "انسان ہوئے جاتے ہیں"

تم کو خود سے نہ خیالِ دلِ ناشاد آیا ‏ یاد آیا مرے کہنے سے تو کیا یاد آیا!

ل MLSS

اپنے سے رفتہ رفتہ بیگانہ ہو گیا ہوں
پردے میں رہنے والے! میں تجھ میں کھو گیا ہوں

رُخ پہ زلفوں کو پریشان کئے بیٹھے ہو
تم مرے قتل کا سامان کئے بیٹھے ہو

میرے دل کے واسطے اے جوشؔ راحت ہی نہیں
کس پہ دل آیا ہے اس سے واقفیت ہی نہیں

دل کا طوفان میں سفینہ ہے
اُن کے رخسار پر پسینہ ہے

وہ دردِ شبِ غم ہے کہ سو بھی نہیں سکتے
اور اُس پہ یہ آفت ہے کہ رو بھی نہیں سکتے

تمہیں نہیں ہو کچھ اے خشک پتیو برباد
فریب خوردۂ رنگِ بہار ہم بھی ہیں

یوں نہ رُخ پوشیدہ کیجے مجھ کو جینے دیجئے
میری آنکھوں کو شرابِ حُسن پینے دیجئے

خوشی بڑھ رہی ہے تو دل مر رہا ہے
مسرت کی تکمیل سے ڈر رہا ہے

جس وقت تک اس آنکھ میں آنسو نہیں آتا
میں دیکھ چکا ہوں کہ نظر تو نہیں آتا

کس درجہ دلگداز ہے آمد بہار کی
لبریز سوز سے ہے ہوا کوہسار کی

# تازہ پھول

"یہ وہ مضامین واشعار ہیں جو آغازِ موسمِ بہار یعنی مارچ میں لکھے گئے ہیں
اور ایسے پھول ہیں جن کی پنکھڑیوں سے شبنم ابھی اُڑی نہیں ہے"

# بہار

مارچ کا مہینہ ہے۔ بہار ابھی کمسن ہے۔ ہوا خوشبو سے مست ہے۔ صبح کا وقت ہے۔ سرسبز باغ کا ایک گوشہ ہے۔ میں اُس گوشہ میں بیٹھا ہوا شعر کہہ رہا ہوں۔ نازک نازک درخت اپنی پتلی پتلی شاخوں کا سایہ ڈال رہے ہیں آفتاب کی شعاعیں کشمکش کرتی ہیں اور آ نہیں سکتیں۔ چھوٹی چھوٹی چڑیاں گا رہی ہیں۔ پھدک پھدک کر چہک چہک کر گنگناتے ہوئے چشمے سے پانی پی رہی ہیں۔ پانی میں طرح طرح کے پھول اور خوشرنگ پتیاں تیر رہی ہیں۔ چڑیاں ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اڑ اڑ کر جا رہی ہیں اور نرم نرم شاخیں لچک رہی ہیں۔ ایک چڑیا سب سے بلند شاخ پر "یا دوستو" "یا دوستو" کی صدا لگا رہی ہے۔ ایک "تو ہی" "تو ہی" کے ترانے گا رہی ہے۔ ہوا آہستہ آہستہ چل رہی ہے۔ خوشبو کے وزن سے تیز نہیں چل سکتی۔ پتیاں رقص کر رہی ہیں اور دھیمی آواز میں نغمہ سرائی۔ پھول ہنس رہے ہیں اور کلیاں چٹک چٹک ساز بجا رہی ہیں۔ میں اس منظر کو دیکھ رہا ہوں اس طرح کہ اس سے بہتر کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ میں اس معطر ہوا میں سانس لے رہا ہوں ایسی گہری کہ کوئی متنفس اس سے گہری سانس نہیں لے سکتا۔

مجھے آبِ حیواں کی طرف دعوت نہ دو، وہاں صرف عمر دراز ہوتی ہے، یہاں تو روح میں بالیدگی آتی ہے اور دل میں صفائی۔

موسم بہار نہیں ہے بلکہ ایک "ٹھنڈی سانس" یا ایک شیریں بوسہ ہے۔

# گُل و بُلبُل

تو بلبل کو کیا سمجھتا ہے؟ ایک طائر؟ ایک پرندہ؟ تو سمجھتا ہے کہ بلبل اور چیز ہے۔ گل اور شے ہے؟

تو کس قدر دھوکے میں ہے۔

جب موسم گل کی شگفتہ صبح کی تجلیوں میں "ملکہ بہار" جو رنگینیوں، خوشبوؤں اور نغموں کی جان ہے، اپنا ستار بجاتی ہے۔ کائنات میں زندگی کی ایک لہر دوڑتی ہے ........ پھول کانپنے لگتے ہیں.... .... اور اپنی پنکھڑیوں کو کھول دیتے ہیں....... یہاں تک کہ موسیقی کی مسلسل لہریں اُن میں روح دوڑا دیتی ہیں۔

"ملکہ بہار" ستار بجاتے بجاتے مدہوش ہو جاتی ہے اور باغ کی روش پر ٹہلنے لگتی ہے۔

اس عالم میں وہ جس پھول کو توڑ کر بوسہ دیتی ہے" وہ بلبل" بن کر چہچہانے لگتا ہے۔!!!

# میں خوش رہنا چاہتا ہوں

میری تمنا ہے کہ میں ہمیشہ خوش رہوں۔

"دولت" نجس ہے اُسے چاہتا نہیں۔

"آرام" پیش خیمہ اُدبار ہے اُسے پسند نہیں کرتا۔

"زمانہ" غدار ہے اُس کی موافقت مجھے قبول نہیں۔

اور پھر بھی خوش رہنا چاہتا ہوں۔

تجھے سخت حیرت ہو گی کہ یہ کیسا عجیب انسان ہے" اسباب خوشی سے نافر ہے۔ اور خوش رہنا چاہتا ہے۔!

اے برادر! میں تجھے دیر تک حیرت میں رکھنا نہیں چاہتا۔ راز کے چہرہ سے نقاب اٹھاتا ہوں۔ متوجہ ہو جا۔

سُن مجھے اُس خوشی کی تلاش ہے جو دل کے ٹوٹ جانے سے پیدا ہوتی ہے اور بہتے ہوئے آنسوؤں کی تہ میں مسکراتی ہے!!

# میرا سینہ تاریک ہے مجھے تھوڑی سی روشنی دیدے

صبح مسکراتی ہوئی آئی ..... اُس کی پیشانی چمک رہی تھی اور سر پر سونے کا تاج تھا۔
میں نے صبح سے گڑگڑا کر کہا "میرا سینہ تاریک ہے مجھے تھوڑی سی روشنی دیدے"
صبح نے جواب دیا "شام کو دیکھا جائے گا"
شام ہوتے ہی صبح نے اپنا زریں تاج سر سے اتار کر پھینک دیا اور میری طرف ایک معنی خیز نظر سے دیکھتی ہوئی چلی گئی
میں یہ دیکھ کر بہت ملول ہوا اور باغ کے ایک گمنام گوشے میں سر جھکا کر بیٹھ گیا۔
اتنے میں شام میرے پاس ٹہلتی ہوئی آئی اور پوچھا "تو کیوں اُداس بیٹھا ہے؟"
میں نے کہا "صبح نے مجھے دھوکا دیا اور بغیر روشنی دیئے چلی گئی"
یہ سنکر شام کے دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اُس نے گھبرا کر زلفیں چہرے سے ہٹائیں اور ٹھنڈی سانس بھری۔
میں نے جیسے ہی شام کا چاند سا چہرہ دیکھا، دوزانو ہو کر اُس کے سامنے بیٹھ گیا اور بڑی لجاجت کے ساتھ اُس سے بھی یہی التجا کی "میرا سینہ تاریک ہے مجھے تھوڑی سی روشنی دیدے"
یہ سنکر شام اور بھی غمگین ہوتی، غم کی سیاہی اُس کے رخساروں پر دوڑ گئی اور اُس نے اندوہناک لہجہ میں کہا "میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تو مجھ سے یہ درخواست کرے گا۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ میں تیری مدد نہیں کر سکتی" یہ روشنی جو تو دیکھتا ہے میری نہیں ہے، میں خود مقروض ہوں"
شام کے اس مایوسانہ جواب نے میرا دل توڑ دیا اور میں نے زیر لب کہا "افسوس میرا سینہ تاریک ہی رہیگا۔"
یہ کہتے ہی میرے دل میں ایک ہوک سی اُٹھی۔ اور آنکھ سے ایک آنسو ٹپک پڑا..... آنسو ٹپکتے ہی میری آنکھیں بند ہو گئیں ..... اور سینہ جگمگانے لگا! اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ آفتاب و ماہتاب کچھ نہیں کر سکتے۔ "سینہ تو صرف آنسو ہی گرانے سے چمکتا ہے"

# ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی!
# کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

میں نے ایک سڑک دیکھی۔ نہایت دلفریب جسکے دونوں طرف سایہ دار اور شاداب درخت جھوم رہے تھے میرا دل خوش ہوا اور میں نے خیال کیا کہ شاید یہی تیرے مکان کا راستہ ہے۔

میرے دل میں خوشی کا جوش پیدا ہوا اور اُدھر روانہ ہو گیا۔

میں برابر چلتا رہا اور راستہ اس قدر دلفریب تھا کہ ہر قدم پر جی چاہتا تھا کہ یہیں ٹھہر جایئے۔

راہ طے ہوتی جاتی تھی اور میرے دل میں خوشی بڑھتی جاتی تھی میں مسرور تھا کہ اب مجھے تیرا نشان مل جائیگا۔

ناگاہ دور سے چند علامات ایسے نظر آئے کہ میں سمجھ گیا کہ راستہ اب قریب الختم ہے۔ میری رفتار کو ان علامات نے اور بھی تیز کر دیا اور میرا اشتیاق مجھے تڑپانے لگا۔ اور آخر کار میں راستہ کی انتہا تک پہنچ گیا۔

انتہا تک پہنچتے ہی میرے منہ سے بیساختہ ایک چیخ نکلی اور میں سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ میرا تمام جسم کانپ رہا تھا۔۔

۔۔۔ اس لیئے کہ میرے سامنے ایک نہایت عمیق غار تھا جس میں مُردوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ اور ہیبتناک درندے اُن ہڈیوں کو توڑ رہے تھے۔ اور تعفن اُس غار سے اُٹھ رہی تھی۔

قریب تھا کہ مجھ پر غشی طاری ہو جاتی کہ ایک آواز میرے کان میں آئی، کہنے والا کہہ رہا تھا۔

"افسوس اے مسافر افسوس" تو نے راستہ کو خنک اور خوشگوار دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ ہمارے مکان کا راستہ یہی ہے اتنی سی بات بھی تیری عقل میں نہ آئی کہ ہمارے شہر کا راستہ تو خوفناک گھاٹیوں اور طوفانی سمندروں کے اندر سے ہو کر گذرتا ہے!!

# سازِ شادی سن کے ہوتی ہے پریشانی مجھے
# اس سے آتی ہے صدائے مرثیہ خوانی مجھے

جس وقت ہمارے شہر میں مجھے شادی کا ایک جلوس ملا۔ دولہا اپنی دلہن کی سواری کے قریب تھا۔
دولہا کی مسرت اس کی آنکھوں میں چمک رہی تھی۔ قریب ہی جب دولہا کو نقرئی سکے پیش ہوتے تھے نام ...
اور حیدری کی ایک گونج تھا۔
یکایک شادی کے وقت میرے سامنے آیا میں نے اپنے حسد میں ایک شخص محسوس کی اور چند میں نے تحمل سے
کام لیا لیکن جو تصویر ان بے بسیوں کی میں نے محسوس کیا بعد میں سنجیدگی سے ... میں بالکل مجبور تھا۔ ایسا
مجھ جیسے شخص ... خود ... کے روبرو ... دل کیسے بے بس ہو جاتا ہے۔
دولہا نے مجھے حسرت و محبت سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں اڑنے لگیں براتیوں کے چہرے
بھی اس کی جانب ہو رہے تھے ... اور قریب تھا کہ میں اپنے کو ... کے درمیان دیکھتا کہ میں نے نہایت
مسکین ہو کر ندامت کی ... اضطراری جنبش دیکر معافی چاہی۔
دولہا غصہ میں ... آگے بڑھ گیا اور دور تک مجھے مڑ مڑ کر دیکھتا رہا۔
اس واقعہ کو چند ماہ گذر گئے ....
ایک روز وہ سے قریب میں سر جھکائے ہوئے ایک گلی میں جا رہا تھا کہ ناگاہ میرے کان میں رونے کی صدا
آئی .... میں نے گھبرا کر آنکھیں اٹھائیں ... کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عورت کا جنازہ پھولوں سے ڈھکا
ہوا چلا آتا ہے۔ لاش پر رنگین چادر پڑی ہے۔ جنازہ کے ساتھ ساتھ ماتم کرنے والوں کا ایک گروہِ عظیم ہے۔

اور ایک نوجوان جنازے کے آگے آگے گریبان پھاڑے چلا آتا ہے اور ہر قدم پر کلیجہ تھام کر ایک ایسی آہ بھرتا ہے کہ زمین و آسمان کانپ اُٹھتے ہیں۔

میں نے غور سے دیکھا اور لرز گیا۔ کیونکہ میں نے اُس نوجوان ماتم کرنے والے کو پہچان لیا۔ میں نے ایک آہ بھری، نوجوان نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ اُس نے مجھ سے تھرائی ہوئی آواز میں کہا "بھائی میں تجھ سے اُس روز کے غصہ کی معافی چاہتا ہوں، مجھے اِس وقت معلوم ہوا کہ تو اُس روز کیوں رو دیا تھا" یہ کہہ کر اُس کی آواز بند ہو گئی۔

اُس وقت سے اُس بیچارہ کا بھی یہی دستور ہو گیا کہ جب وہ کوئی خوشی اور شادی کی بات دیکھتا ہے آنسو اُس کی آنکھوں سے ٹپک ہی پڑتے ہیں.......

## عجیب شیرینی

ایک رنگین عارضوں والی دوشیزہ آئیس کریم بیچا کرتی تھی۔ مگر شکر اس قدر کم ملاتی تھی کہ "برائے نام" کہہ سکتے ہیں۔ اُس نے شکر نہ ملانے کی کوئی وجہ دل میں ضرور رکھ لی ہوگی۔ مگر اس وقت میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی۔ جب برف کھانے والے شیرینی کی بہت تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مٹھاس نہایت مناسب ذائقہ ہوتی ہے۔

ایک روز میں تیار ہو کر بیٹھا اور ارادہ کر لیا کہ آج اِس راز کا سراغ لگا کر چھوڑوں گا۔ میں نے برف خریدی اور کھانے لگا اور اُس لڑکی نے مجھ سے باتیں کرنا شروع کیں میں دنگ تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے کیونکہ آئیس کریم مجھے بھی بہت شیریں معلوم ہوتی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہد ملا ہوا ہے۔ درانحالیکہ مجھے ذاتی طور پر امر کا علم تھا کہ شکر اس قدر کم ہے گویا نہیں ہے۔

میں غور کرنے لگا۔ غور کرتا رہا۔ غور کرتا رہا۔ غور کرتا رہا اور آخر کار میں خوشی سے اُچھل پڑا کیونکہ مجھے یہ راز معلوم ہو گیا کہ شیرینی جو برف کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ دراصل برف میں نہیں ہے برف جمانے والی کی باتوں میں ہے"

# ایوانِ شاہی میں

# چند سوالات

اے میرے مہربان بادشاہ! کیا ان سونے کے گلاسوں میں بھرا ہوا شربت اُس شفاف و شیریں پانی سے بہتر ہے جو آبشاروں میں گنگناتا ہے اور جس کی تہ میں موتی مسکراتے ہیں؟

کیا یہ خوب صورت طلائی مسہری اُس ملائم اور نازک بستر سے بہتر ہے جسے خود رو سبزہ بچھاتا ہے۔؟

کیا یہ مہکتا ہوا کمرہ ہوا کے کرے سے بہتر ہے جہاں خوشبوؤں کی شاہزادی پر کھولے ہوئے اُڑتی ہے؟

کیا تیرے ایوان کے زریں نقش و نگار اُن رنگین دھاریوں سے بہتر ہیں جو گلاب کے پھول پر پڑی ہوتی ہیں۔؟

کیا یہ سنہری چھت آسمان سے بہتر ہے جس پر صبح کو آفتاب چمکتا ہے، رات کو چاند جگمگاتا ہے اور جس پر پانی برسنے کے بعد زریں کمان نمودار ہوتی ہے۔؟

کیا تیرا یہ پائیں باغ جس میں مشینوں سے ترشا ہوا سبزہ اور زاویہ نما کیاریاں ہیں جنگل کے اُس نیچرل سین سے بہتر ہے جہاں بے ترتیبی کے ساتھ دُور دُور تک سبزہ دوڑا ہوا ہے، جہاں خود رو پھول ہنستے ہیں۔ اور جہاں رنگین جھاڑیوں کے اندر سے پیچ و خم کھاتے ہوئے راستے گذرتے ہیں؟

تو پھر اے میرے تاجدار دوست میں تیری بات کیونکر مان لوں اور کس طرح اپنا دریا کے کنارے کا جھونپڑا جہاں چڑیاں گاتی ہیں اور ہوا ستار بجاتی ہے چھوڑ کر تیرے اِس محل میں رہوں جہاں کا ہر آئینہ دیدۂ بصارت کیواسطے زنگ ہے!

# برا ہو دل کا یہ کم بخت "آہ" کر بیٹھا

# قریب تھا کہ وہ کچھ مجھ سے گفتگو کرتے

جاڑوں کا زمانہ تھا۔ آدھی رات آچکی تھی۔ راستے خاموش اور گلیاں ویران پڑی ہوئی تھیں۔ زمین سے آسمان تک سناٹا اور ستاروں کی بزم میں سرمدی ساز پر رقص ہو رہا تھا۔ کہ یکایک میرے دروازہ پر کچھ روشنی سی ہوئی ایسی روشنی کہ میرا کمرہ جگمگا اٹھا۔ . . . اور روشنی ہوتے ہی دفعتاً میرا دوست میرے غمکدہ میں در آیا۔

دروازہ بند رہا۔ دیوار شق نہیں ہوئی۔ چھت میں شگاف نہیں پڑا لیکن وہ کمرے کے اندر آگیا . . . .

اُس کا جسم شعاعوں سے لپٹا ہوا تھا۔ . . . . . خوشبو اُس کے تنفس سے اڑ رہی تھی . . . . . اور شمع اُس کے ہاتھ میں تھی۔ شمع کی روشنی اُس کے رخساروں پر پڑ رہی تھی۔

میں فوراً دوزانو ہو کر اُس کے رُوبرو بیٹھ گیا۔ میرا دل دھڑک رہا تھا اور آنکھیں حُسن کی پرستش میں مصروف تھیں۔ اُس کی شمع پگھل رہی تھی اور میری رگ رگ میں وہ تپش تھی کہ سارا جسم پھنکا جاتا تھا۔

میرے دوست نے مُسکرا کر میری طرف دیکھا۔ اُس کی پیشانی میں مہربانی چمک رہی تھی اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ کچھ کہا چاہتا ہے۔

یہ دیکھتے ہی میرے سینے میں کچھ ایسے لطیف اور مشتعل جذبات پیدا ہوئے۔ کہ میں تڑپنے لگا۔ لوٹنے لگا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کوئی میرا گلا گھونٹے دیتا ہے۔ . . . .

اس لئے کہ جذبات جو میرے دل میں پیدا ہوئے تھے میں چاہتا تھا کہ انہیں اپنے مہربان دوست سے حرف بحرف بیان کروں لیکن میں مجبور اور سخت مجبور تھا کیونکہ اس قسم کے جذبات کے واسطے دنیا کے تمام لغات گونگے ہیں اور روئے زمین کی کسی زبان میں ایسے الفاظ موجود ہی نہیں ہیں جو ان امور کو ظاہر

کر سکیں۔

اس اذیت و کشمکش نے میری حالت زار کر دی۔ میرے اعضاء میں شدتِ تشنج ہونے لگا...... اور میرے دل سے بے ساختہ ایک آہ نکلی ......

دل سے آہ نکلنا تھا کہ میرے دوست کا بلوریں ہاتھ کانپا۔ اس کی شمع جھلملانے لگی ..... خوشبو کم ہو چلی ...... اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ میری نگاہوں سے غائب ہو گیا!

## اُس نے مجھ سے معافی چاہی، اور میں نے اُسے "ظالم" سمجھا

شام کا وقت تھا۔ چڑیاں بسیرے لے رہی تھیں۔ آسمان پر سیاہ بادل گھر گھر کے چلے آ رہے تھے۔ لڑکیاں پانی سے بھرے ہوئے ظروف سروں پر رکھے جلد جلد اپنے گھروں کی طرف جا رہی تھیں۔ سرد ہوئے زمین پر تاریکی چھا رہی تھی میں ایک باغ کے گوشے میں اپنے حبیب کا تصور کئے پڑا تھا۔ میری آنکھیں بند تھیں، تنفس میں بے ترتیبی تھی، اور میری زلف سُراغ یار میں آوارہ پھر رہی تھی، نازک نازک شاخیں مجھ پر جھکی ہوئی تھیں اور گھانس میرے جسم کو چھپائے ہوئے تھی ...... کہ یکایک میرے پہلو میں کسی نازک پاؤں کی ٹھوکر لگی ..... اُس ٹھوکر میں وہ لذت تھی کہ مجھے نیند آنے لگی ... اور میں نے ایسا محسوس کیا گویا میرے دھڑکتے ہوئے دل پر کسی تسلی دینے والے نے ہاتھ رکھ دیا۔

میں انتہائی سکون کے باعث قریب تھا کہ سو جاتا کہ ایک موسیقی اور لوچ میں ڈوبی ہوئی باریک سی آواز "معاف کیجئے" میرے گوش زد ہوئی۔

میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں ... کیا دیکھتا ہوں کہ میں جس کی یاد میں خراب و تباہ سبزہ پر پڑا ہوا تھا۔

وہ پہلو میں شرمندہ کھڑا ہے اور مجھ سے اپنے سہو کی معافی چاہتا ہے۔

میں نے اپنی آنکھیں حیرت سے اٹھائیں، تحیر کی شکنیں میری پیشانی پر تھیں، میں نے غمگین لہجہ میں آہستہ سے کہا "جو لوگ نیک ہوتے ہیں اگر کبھی سہواً اُن سے کسی کو صدمہ پہنچ جاتا ہے تو معذرت کرتے ہیں لیکن تو کیسا ظالم ہے کہ مجھے "راحت" پہنچا کر معافی چاہتا ہے!!!

# اُمیدِ موہوم

خوشی کا جس قدر حصہ میرے مقدر میں تھا، میں صرف کر چکا۔
اب دنیا میرے واسطے محض ایک کرۂ خشک ہے جس کے ہر ذرہ میں نااُمیدی بھری ہوئی ہے۔
البتہ ایک نہایت خفیف سی اُمید باقی ہے کہ شاید اُسے میری حالت پر ترس آجائے اور وہ ایک مرتبہ پھر میرے دروازے کے سامنے سے گذر جائے اور میں اُسے دیکھ لوں ......
لیکن یہ میری کمزور اُمید جس کے پہلو مایوسیوں سے دبے ہوتے ہیں ایسی دُھندلی سی ہے جس طرح ایک بہت زبردست اور تاریک بگولے کے اندر خاک کا چھوٹا سا ذرہ چمکے اور گم ہو جائے

# گفتگوئے خواب

اے میرے خواب کی روشنی! اے میری نیند کے آسمان پر چمکنے والے ماہ نو! اے میرے ملکِ تصور کے مستقل باشندے! کاش میں اس خواب کو گرفتار کر سکتا۔ اپنے رخسار دیکھ، ان پر اُس لپکتے ہوئے شعلے کا عکس پڑ رہا ہے جو میرے دل سے ہر وقت اٹھا کرتا ہے۔
کاش تیرے یہ چمکتے ہوئے شیریں لب میرے غم کی تلخی سے واقف ہوتے!
میری محبت تجھے ایک زمانہ سے ڈھونڈھ رہی ہے ایک ملک سے دوسرے ملک میں لیکن تیرا سُراغ نہیں ملتا۔ کیا تو عالم بیداری سے بیزار ہے؟
میں چاہتا ہوں تیرے ساتھ ساتھ رہوں جس طرح سایہ روشنی کے قدم چومتا ہوا چلتا ہے۔
میں تجھے اپنے گوشۂ دل میں رکھنا چاہتا ہوں جس طرح پچھلی رات کی ہوا میں شبنم ہوتی ہے۔
میں چاہتا ہوں کہ اُٹھکر تیرے دامن کا سرا چوم لوں مگر آہ جنبش نہیں کر سکتا۔

تو میرے سرہانے زلفیں کھولے مسکرا رہا ہے، فرشتے تیرے سر پر اُڑ رہے ہیں اور میری پیشانی پر تیری زلفوں کا عکس دیکھ کر وجد کر رہے ہیں اور آپس میں کہہ رہے ہیں" دیکھو! برسنے والے بادلوں کا سایہ دشت کے تشنہ ذروں پر پڑ رہا ہے!!"

# شاید وہ آجائے

دسمبر کی آدھی رات ہے، سردی اس شدت سے ہے کہ مکانوں میں انگیٹھیاں دہک رہی ہیں، لوگ کمبلوں میں لپٹے سو رہے ہیں، کمروں کے دروازے بند ہیں، راستے سنسان اور سڑکیں ویران پڑی ہوئی ہیں۔ چوکیدار بڑے بڑے لبادے پہنے سڑکوں کے کنارے اونگھ رہے ہیں۔ اور کسی آنے والے کی امید نہیں ....

لیکن میرے مکان کا دروازہ بند نہ کرو، شاید وہ آجائے!

مئی کی دوپہر ہے، ذرے چنگاریوں کی طرح دہک رہے ہیں، لُو چل رہی ہے، چرواہا درخت کے سایہ میں پڑا سو رہا ہے، چوپائے نالابوں اور جھیلوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، ایک پرندہ بھی آسمان پر نظر نہیں آتا۔ دن نے سناٹے کو رات سے قرض لے لیا ہے اور سامنے کی سڑک پر کوئی راہرو نہیں ہے ......

لیکن میرے مکان کا دروازہ بند نہ کرو، شاید وہ آجائے!

جولائی کی رات ہے، بھری برسات کا زمانہ ہے، پانی شام سے برس رہا ہے، کائنات میں ایک شور برپا ہے بازاروں اور باغوں میں ایک شخص بھی نظر نہیں آتا۔ بجلی خوفناک طریقہ سے چمک رہی ہے۔ سیاہی دنیا کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے۔ لوگ گھبرا گھبرا کر آسمان کی طرف نگاہیں اٹھاتے ہیں، لیکن کچھ نظر نہیں آتا۔ پرنالے چل رہے ہیں، نالے زور شور سے بہہ رہے ہیں، ٹین کے سائبان قیامت برپا کئے ہوئے ہیں۔ کوئی گھر سے نکلنے کی ہمت نہیں کر سکتا ......

لیکن میرے مکان کا دروازہ بند نہ کرو، شاید وہ آجائے!!

# کیا تو مجھے کچھ دینا چاہتا ہے ؟

اے میرے مہربان بادشاہ! کیا تو مجھے کچھ دینا چاہتا ہے ؟
تو نے اپنی جیب سے اشرفیاں نکالی ہیں اور میرے پاؤں کے نیچے جو رنگین پتھر دبے ہوتے ہیں وہ تیری اشرفیوں کے رنگ پر ہنستے ہیں اور اُن کا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔
میری انگیٹھی کا ایک انگارا تیری تمام اشرفیوں کو خرید سکتا ہے
میں جانتا ہوں کہ تو ایک لبریز خزانے کا مالک ہے اور زمین کا ایک بہت بڑا حصّہ اپنے اقتدار میں رکھتا ہے
لیکن اے بادشاہ پھر بھی تو میرے سامنے محتاج و تہیدست ہے۔
آسمان میرا خزانہ ہے جس میں چاند، سورج اور ستارے ہیں۔ کرۂ ہوا میری سلطنت ہے جس میں صحت اور خوشبو ہے۔ پھول میری سلطنت کے سکّے ہیں، جنکی پنکھڑیاں نرم اور معطر ہیں۔ دنیا کی تمام تری اور خشکی پر میرا قبضہ ہے اور تمام مظاہر قدرت پر میری حکومت ہے
تو عجیب گدا ہے کہ ایک شاہنشاہ کو کچھ دینا چاہتا ہے۔
تاہم میں تیری ہمت کی قدر کرتا ہوں . . . . جا اور اپنے گھر خوش رہ۔ اگر تجھے کبھی ایسی سلطنت کی خواہش ہو جو مجھے حاصل ہے میرے پاس آنا میں تجھے ایسا ہی بنا دوں گا اور پھر بھی میری سلطنت میں کچھ ضعف نہیں آسکتا۔ لیکن تو مجھے اُتنا بھی نہیں بنا سکتا جتنا تو خود ہے . . . . ."

# وہ آنسو بے بہا ہیں جو دوسروں کی مصیبت پر نکلیں

کیا میں نے کبھی آنسو دیکھے نہیں بہتے ؟ کیا میں کبھی رویا نہیں بہتا ؟
برسوں میں اپنی محرومیوں اور ناکامیوں پر رو چکا تھا۔ مدتوں میں فراق و غم کی طویل راتوں میں آنسو

بہا چکا تھا۔

میں نے لاکھوں مرتبہ آنسو دیکھے تھے.....

لیکن اُس شام کو میری حیرت کی کوئی حد نہ تھی جبکہ میں ایک پہاڑی پر غروب کا تماشہ دیکھ رہا تھا... میں نے ایک اسی برس کے بڈھے کو دیکھا کہ لکڑیوں کا ایک بہت بڑا بوجھ سر پہ لادے آرہا ہے۔ اس کا تمام جسم وزن سے کانپ رہا ہے اور اُس کی گردن کی سب رگیں اُبھری ہوئی ہیں۔

میں یہ دیکھ کر بیقرار ہو گیا۔ فوراً بلندی سے اُترا اور اُس کا بوجھ اپنے سر پہ لے لیا.....

غریب بڈھا ڈر گیا، اُس کی سانس چڑھ رہی تھی اور وہ مجھے اپنی دُھندلی آنکھوں سے دیکھنے لگا...

اُسکی اس حالت پر میرا دل پسِ گیا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ اُس شام کو میرے آنسو ایسے روشن تھے کہ اس سے قبل ایسے کبھی نہ تھے معلوم ہوتا تھا ستارے چمک رہے ہیں۔ ایسی روشنی تھی کہ میری نظر خیرہ ہوئی جاتی تھی اور یہ میری زندگیٔ گریہ وزاری میں پہلا موقع تھا کہ میں نے ایسے درخشاں آنسو دیکھے۔"

# گرانی کا سبب

ایک روز میرے چند احباب موجودہ گرانی کے اسباب پہ رائے زنی کر رہے تھے اور ہر شخص اپنی عقل و معلومات کے اندازہ سے گفتگو کر رہا تھا۔ میں چپ بیٹھا اُن کی باتیں سُن رہا تھا...

اُنھوں نے مجھے اپنے مباحث میں یہ کہکر شریک نہیں کیا کہ "یہ تو شاعر ہے اسے ان امور سے کیا واسطہ؟" میں یہ سُنکر مُسکرا دیا

اُنھوں نے کہا "کیا جناب کے اِس تبسم سے یہ سمجھا جائے کہ آپ بھی کچھ سمجھتے ہیں؟"

میں نے جواب دیا "ہاں میں سمجھتا ہوں اور تم سب سے بہتر سمجھتا ہوں" میں نے کہا "سنو! ذرا سی بات ہے "چیزیں گراں کیوں ہیں؟"

اس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے خدا کو ہلکا کر دیا ہے!"

# دنیا میں جنگ کا باعث میں ہوں

دُنیا کے مؤرخوں اور سیاست دانوں نے اس جنگ کے متعلق جو ابھی جرمن نے چھیڑی تھی بڑی بڑی عقل آرائیاں کی ہیں لیکن کسی کو اصلیت کی خبر ہی نہیں۔

شام کا وقت تھا۔ میں اپنے پائیں باغ میں سیر کر رہا تھا اور بہت بشاش تھا۔ میں نے جھک کر ایک پھول توڑا۔ میں نے خیال کیا کہ میرے ان پھولوں کی خوشبو دور دور تک جاتی ہوگی اور اس سے میرے ہمسائے بھی لطف اُٹھاتے ہونگے۔ کوئی صورت ایسی نکلے کہ یہ تمام قرب وجوار کے مکانات مجھے مل جائیں تاکہ میرا پائیں باغ وسیع ہو جائے اور کوئی ہمسایہ بھی نہ رہے جو مفت میں میرے باغ کے پھولوں سے لطف اُٹھا سکے۔

میں نے اِس مسئلہ پر کئی ماہ صرف کئے اور آخر کار ایک ایسی تدبیر نکالی کہ تمام ہمسایوں کے مکانات میرے قبضہ میں آگئے اور میرا وسیع پائیں باغ بن گئے۔

میرے احباب نے میری اس کامیابی کو دیکھا۔ اُن کے دلوں میں بھی تحریص پیدا ہوئی کہ وہ بھی کوئی صورت ایسی نکالیں کہ دوسروں کی املاک اُن کے قبضہ میں آجائے۔

اِسی طرح دنیا میں غصب کا شوق پیدا ہوگیا اور ہر شخص اس فکر میں رہنے لگا کہ دوسروں کے مال ومتاع پر قبضہ حاصل کرلے۔ رفتہ رفتہ دنیا کی ہوا مسموم ہوگئی۔ اور جب اس کی ایک لہر شاہِ جرمن کے دماغ سے ٹکرائی تو اُس نے چاہا وہ اپنا ملک وسیع کرے اور دوسرے بادشاہ کو شکست دے۔ یہ خیال آتے ہی دنیا میں آگ لگ گئی اور مہیب جنگ کا طوفان برپا ہوگیا۔

# عقلیں سلب آنکھیں بند

ہر بات میں ڈگری طلب کی جاتی ہے اور ہر صیغہ میں سارٹیفکیٹ پوچھا جاتا ہے۔
میں دیکھتا ہوں کہ کچھ روز میں "حسن" کے متعلق بھی سند حاصل کرنا ہوگی۔ کوئی ہستی خواہ وہ کتنی ہی نظر فریب کیوں نہ ہو، اُس پر "حُسن" کا اطلاق نہ ہوگا جب تک ڈگری نہ دکھائی جائیگی اور لطف تو یہ ہوگا کہ باوجود حُسن و جمال اُس وقت تک کسی کو اس کی صورت اچھی ہی نہ معلوم ہوگی۔

# بدترین اذیّت

اِس ضرب سے بڑھکر بھی دل پر کوئی ضرب نہیں لگ سکتی کہ جب ہم سر جھکائے عاشقانہ اشعار لکھ رہے ہوں ہمیں کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہو......... ہمارا دل خوشی سے اُچھلنے لگے کہ شاید ہمارا دوست آگیا...... اور ہم سے اپنی جفاؤں کی معافی چاہے گا...... ہم ہمہ تن اشتیاق بنکر مسکراتے ہوئے آنکھیں اٹھائیں...... اور سامنے سیاہ فام رقیب کھڑا ہو!!

# کیا ہی اچھا ہوتا

میں خوش ہوں کہ تو نے دور دراز ملکوں کی سیر کی ہے اور کرۂ ارض کے بڑے بڑے مقامات تیری نظر سے گذر چکے ہیں جس سے تیرا تجربہ بہت وسیع ہوگیا ہے اور بیشک تو ایک قابل سیاح ہے۔
لیکن کیا ہی اچھا ہوتا اگر تو کسی وقت اپنے گرد و پیش سے خاک کا ایک ذرہ اٹھا لیتا اور تھوڑی دیر اُس پر غور کرتا اور "سیاح" و "عارف" دونوں ہو جاتا!!

# اِس تصویر کے دونوں رُخ اچھّے ہیں

تیرا میری طرف مسکرا کر دیکھ لینا میرے واسطے موت سے بھی زیادہ شیریں ہے۔
لیکن تیرا رنجش رُو ہو کر نگاہ اٹھانا بھی لطف سے خالی نہیں۔ کیونکہ اس ادا میں ایک نہایت باریک سا کانٹا ہوتا ہے جس کا چُبھ جانا دِل کی زندگی ہے۔

# راز

میری آنکھ کے آخری پردہ میں تیرا تبسم چھپا ہوا ہے اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ جب کبھی میری آنکھ سے کسی کے سامنے آنسو نکل پڑتا ہے۔ تو تیرے تبسم کے نقوش دھندھلے ہونے لگتے ہیں . . . .
. . . . اور جب میں خلوت میں آنسو بہاتا ہوں تو اُن نقوشِ تبسّم میں جِلا آنے لگتی ہے۔
شاید تو وہ راز ہے جسے افشاء ہونے سے بہت ہی شرم آتی ہے !!

# آب در کوزہ و من گردِ جہاں میگردم

میں کسی پہ جان دیتا ہوں معلوم نہیں کس پر ؟
مجھے ایک چمک نظر آتی ہے معلوم نہیں کس کی ؟
میں تلاش کرتا ہوں . . . . پتہ نہیں چلتا۔
ہرن اپنی ناف میں خوشبو لئے ہوئے ہے . . . . اور سراسیمہ ہے کہ یہ خوشبو کدھر سے آتی ہے ؟
وہ دیوانہ وار میدانوں میں دوڑتا پھرتا ہے اور اُسے سراغ نہیں ملتا !!

# عجیب شراب

میری آنکھیں تیری نشیلی آنکھوں سے اور میرے لب تیرے سرخ لبوں سے شراب پیتے ہیں :
ایسی لطیف کہ نظر نہیں آسکتی اور ایسی عجیب کہ اُس کا نشہ عقل ہی جان ڈال دیتا ہے !

# پانچ قسمیں

قسم اُس پھول کی جو طلوع کے وقت مسکرا رہا ہو کہ یہ دنیا رونے کا مقام ہے۔
قسم اُس صبح کی جو تجلیوں کی سلطنت ہے کہ یہ دنیا تاریکی کا مرکز ہے۔
قسم اُس خواب نوشیں کی جو طبیب فطرت ہے کہ یہ دنیا سکون و صحت کا محل نہیں
قسم اُس شرم کی جو کمسن دولہن کے رخساروں سے ٹپکتی ہے کہ یہ دُنیا سخت بیحیا اور بے غیرت ہے۔
قسم اُس شیرینی کی جو عروس کے چہرہ پر اُترتی ہے کہ یہ دنیا بے حد تلخ و ترش ہے۔

# چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے بڑے سبق

(۱)

میں نے ایک سنگ تراش کو دیکھا کہ پتھر پر اپنا نام کندہ کر رہا تھا چہرہ اُس کا پژمردہ اور اعضا اُس کے تھکے ہوئے تھے۔

یہ دیکھکر مجھے خیال آیا کہ ایک پتھر پر نام کھودنا تو اس قدر مصیبت ہے تو صفحۂ ہستی پر نام چھوڑنا کسقدر دشوار ہوگا!

(۲)

میں نے ایک لوہار کو دیکھا وہ انگارے کی طرح دہکتے ہوئے سرخ لوہے کے ایک ٹکڑے پر اپنے آہنی اوزار سے اس طرح مسلسل ضربیں لگا رہا ہے کہ چنگاریاں دور دور تک اُڑ رہی ہیں اور پسینہ اُسکے جسم سے بہہ رہا ہے

اُس کے سینے سے ایک گونجتی ہوئی آواز نکل رہی ہے جو اتنی بلند ہے کہ راستے سے گذرنے والے تک سُن سکتے تھے۔
یہ دیکھتے ہی کسی قوت نے میرے دل کے اندر کرخت لہجہ میں کہا، غور کر ناداں غور کر، یہ شخص اپنے کو چُور چُور کئے ڈالتا ہے صرف اس لئے کہ لوہے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اُس کی مرضی کے مطابق ایک خاص شکل اختیار کرے ......... اور تو یہ چاہتا ہے کہ بغیر جانفشانی و محنت "نفس" سی زبردست چیز پہ قبضہ پالے جس کی سختی کے آگے لوہا ریشم سے زیادہ نرم ہے "

(۳)

میں ایک بالاخانے پر چڑھا، ہر طرف سیر کی، اور میں نے دیکھا کہ اگر کوئی پھاندنے کی کوشش کرے تو ہر جگہ سے پھاند سکتا ہے، کوئی چیز اُسے روک نہیں سکتی۔
لیکن اگر کوئی اوپر آنا چاہے تو زینے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ اُس وقت یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ دنیا میں گرنے کے تو ہزاروں راستے ہیں لیکن چڑھنے کا صرف ایک ہی ہے ......

(۴)

میں ایک بلند مینا پر گیا۔ شہر کی طرف دیکھا تو مکانات ایسے معلوم ہوئے کہ یا صدہا بلند و پست قبریں ہیں ....
اُس وقت میرے دل نے مجھ سے کہا "اے جوش اگر تو روحانیت کی بلندی حاصل کرلے تو صرف یہی نہیں کہ آبادیاں تجھے مقبرے معلوم ہوں گی بلکہ دنیا کی ان چلتی پھرتی صورتوں میں تجھے لاکھوں ایسے نظر آئیں گے کہ سانس تو لے رہے ہیں مگر ہیں مُردہ۔

(۵)

میں نے کلکتہ کے زندہ عجائب خانہ میں دیکھا کہ ہرن اور کچھوا دونوں ایک ہی دڑبے میں کھا رہے ہیں، میرے پاس میرے ایک دوست کھڑے تھے میں نے اُن سے کہا "دیکھیے! مدت تک یکجا رہنا بھی ایک عجیب طلسمی شے ہے جس نے ایسے دو جانوروں میں اتحاد پیدا کر دیا جن میں کوئی مناسبت ہی نہیں۔

لیکن افسوس ہم انسان ان جانوروں سے بھی پست ہیں۔ ہندو، مسلمان اور انگریز' ایک مدت سے ہندوستان میں رہتے چلے آتے ہیں اور پھر بھی الگ الگ ہیں" !
کاش ہم کچھوے اور ہرن ہی ہوتے۔

---

# بیش بہا موتی

خوشی کے پھول کو زیادہ پیار نہ کر' ورنہ دب کر اس کی پنکھڑیوں سے غم کا عرق ٹپک پڑیگا۔ ۔ ۔

(۲)

مہ رخوں کی سخت مزاجی' اور حسینوں کی سخت دلی نے یہ بات مجھ پر واضح کر دی کہ "حسن" کے نقش و نگار ہمیشہ پتھر ہی پر کھودے جاتے ہیں۔ ۔ ۔

(۳)

ایک چیز میں مستقل رہ' اور ایک میں بالکل غیر مستقل۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
"دوستی" میں مستقل رہ۔ اور "دشمنی" میں بالکل غیر مستقل۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(۴)

جب میں پرانے زمانہ کا موجودہ زمانہ سے موازنہ کرتا ہوں' تو مجھے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس دور کے شدید کافر بھی اس وقت کے بہترین مومنوں سے بہتر تھے۔

(۵)

کاش یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی کہ موت سے زیادہ شیریں کوئی چیز نہیں !!

# طلوعِ سحر

رات کی سیاہ دیوار توڑ کر صبح "سنہرا کنگن پہنے، برستے ہوئے نور کے ساتھ طالع ہوئی ...... یا ایک خندہ پیشانی شرمگیں اور صبیح دوشیزہ، سر پر موتیوں کی لڑی ڈالے گلے میں رنگین ہیکل پہنے، اور کمر میں ستاروں کی پٹی لگائے دفعتاً پردہ سے جھانک کر مسکرانے لگی۔

شب "کا گہرا سکوت" اور "منجمد خاموشی" نغموں اور تجلیوں میں بہ نکلے ...... آسمان کے دھندلے ورق پر سنہری سطریں کھنچ گئیں "مینار" اور "کلس" جگمگا اٹھے چٹیل میدان جھلکنے لگے۔ آبشار گنگنانے لگے نسیم سحر کے جھونکے سوز و گداز کے نغمے گانے لگے۔ سبزہ پر مسرت کی لہر دوڑی۔ کلیوں نے ساز چھیڑا طیور نے بیداری کا راگ شروع کیا ہر صدا لحن میں ڈوب گئی۔ ہر بلندی سجدے کرنے لگی۔ ہر کانٹے میں لچکنے کی صلاحیت آگئی ......

اس گلابی روشنی، اس جنتِ رنگ و نور میں فردوسی مطرب یعنی "حوریں" تاروں کی چھاؤں میں لپٹی ہوئی، موتیوں کے ہار پہنے بادِ صبا کے دوش پر ساز چھیڑتی ہوئی زمین پر اتریں ........ اور شبنم کے قطروں کی طرح، ملائم طرب سے، پاؤں کھنتی ہوئی سونے والوں کے سرہانے آئیں، اور خوابیدہ آنکھوں کو اپنے تبسم کی ضیا سے چھولیا .... جو بشاش بشاش جاگ اٹھا حوروں نے اسے حلقہ میں لے لیا، اس کی حور چند قدم آگے بڑھی اور اپنا ہار اس کے گلے میں ڈال کر ایک عجیب دلفریب نظر سے دیکھنے لگی۔ جاگنے والے پر حور کے رخسار کی چھوٹ پڑی اور اس کی پیشانی "ستارہ صبح" کو شرمانے لگی ..... جو سیاہ بخت بیدار نہوا۔ اس کے سرہانے ساز خاموش کر دئے گئے۔ حوروں نے اس کی اداس بالین پر نوحہ کیا اور موتیوں کا ہار جو وہ اس کے لئے لائی تھیں، اسے اس حسرت سے دیکھا کہ ہر موتی "آنسو" ہو گیا!!

# "حیات و مُمات"

گھنا جنگل ہے۔ رات تیرہ و تار اور بھیانک ہے۔ موسلا دھار بارش سے زمین شق ہوئی جاتی ہے۔
میں دریا کے کنارے اُس دریا کے کنارے جس کی موجیں چوٹ کھائے ہوئے اژدہے کی طرح بل کھا رہی ہیں" خاموش اپنے جھونپڑے میں بیٹھا ہوں۔ میرا جھونپڑا لبِ ساحل قلبِ صحرا میں واقع ہے .....

موجیں شور کرتی ہوئی میرے مسکن تک آگئی ہیں۔
پتّے پتّے پر خوف، ذرّے ذرّے پر دہشت کا سکّہ ہے۔

بادل گرج رہے ہیں۔ اور اس طرح کہ معلوم ہوتا ہے آسمان چُور چُور ہو کر زمین پر آ رہیگا۔ ہوائیں تند و تیز ہیں۔ بڑے بڑے تناور درخت زمین پر بچھے جاتے ہیں۔

دور دور تک کوئی آبادی نہیں اور وہ ہر سامان جو ایک کمزور فطرتِ انسان کو خوفزدہ بنا سکتا ہے سب ایک دم سے جمع ہو گیا ہے۔

بوچھاڑ اندر تک آ رہی ہے میں سمٹا ہوا ایک گوشے میں بیٹھا ہوں، خیالات میں غرق، مبہوت اور ساکت"
میں اپنے دل میں ایک کیفیت پاتا ہوں جیسے کوئی مجھ سے اپنا وعدہ ایفا کرنے والا ہے۔

عین اسی عالم میں بغیر "گرج" کے ایک انتہائی شفاف بجلی چمکتی ہے۔ اور میرے تاریک گوشۂ خوف و استغراق میں در آتی ہے۔

میری آنکھیں معاً بند ہو جاتی ہیں۔ اُسی تیزی سے جس طرح بجلی چمکتی تھی" میرا دل دھڑکنے لگتا ہے.... اور رگ رگ میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے..... مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا میری آنکھوں کا نُور چل رہا ہے۔ اور ایک مرتعش پر تو میری آنکھوں کے بالائی حصّہ کو چھو رہا ہے۔ میں دل کڑا کر کے چاہتا ہوں کہ آنکھیں کھولوں ہمت نہیں پڑتی۔ پھر کوشش کرتا ہوں۔ مگر بے سود قطعی ارادہ کرتا ہوں، مگر ناکام....."

دفعتاً میری آنکھوں کو ایک خنک اور ملائم شے مَس کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور خود بخود میری آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

آنکھیں کھلتے ہی کیا دیکھتا ہوں؟ اس کی شرح ممکن نہیں۔ الفاظ ظاہر نہیں کر سکتے۔ اور قوتِ ناطقہ متحمل نہیں ہو سکتی۔

کیا دیکھتا ہوں کہ میرا دوست جس کی یاد میں میں نے طویل راتیں آنکھوں میں کاٹی تھیں، دو تڑپتی ہوئی بجلیوں کی محراب کے اندر بیٹھا ہوا ہنس رہا ہے، اور اُس کی بلند پیشانی سے ایک ایسی خوش رنگ صبح طالع ہو رہی ہے جس کا آفتاب کبھی نہیں ڈوبتا!!!

# صبحِ پیری

"تاریک رات کی پیشانی پر" آفتابِ تقدس کی نرم نرم شعاعیں چمکنا شروع ہوئیں.......
آفتاب تدریجاً بلند ہوتا گیا...... روشنی رفتہ رفتہ تیز ہوتی رہی .... اور سیاہی کا گہرا رنگ آہستہ آہستہ ہلکا پڑتا گیا۔

اسی طرح ایک ایک کر کے رات کی تمام ساعتیں خاموشی کے ساتھ روشن ہوتی رہیں.....
آخر کار "آفتاب، پوری بلندی پر آگیا" دیکھتے ہی دیکھتے سیاہی کا کُرہ جگمگا اُٹھا "برکتیں بیدار ہو گئیں" اور ہر طرف ایک نور سا پھیل کر رہ گیا۔!!!

# میرے مالک مجھے حیرت ہے کہ تو "سرد مہر" کیوں نہیں؟

مشرق سے طلوع کرنے والا سنہرا آفتاب چودھویں کا ہنستا ہوا جوان چاند گردوں پر چمکتے ہوئے تارے آسمان پر دلفریب سڑک بنانے والی کہکشاں، اونچے پہاڑوں کی برف سے ڈھکی ہوئی سفید چوٹیاں، چٹانوں سے

گذرنے والے شفاف چشمے، میدانوں میں لہلہاتا ہوا ابرسات کا نظر فریب سبزہ، روشوں پر مسکراتے ہوئے تازہ پھول۔
کوئی مادر زاد اندھا ہی ہوگا جسے نہیں ان کی خوبیوں میں ذرہ برابر بھی تامل ہو، یہ تمام چیزیں، یہ تمام قدرتی مناظر، یہ تمام فطرت کے تحفے "حسن" کا جوہر اور "خوبصورتی" کا ست ہیں۔
لیکن افسوس جس شے کی مجھے تلاش ہے، جو تشنگی میں اپنے سینہ میں محسوس کر رہا ہوں۔ وہ ان میں نام کو بھی نہیں۔ یہ تمام چیزیں دلکش ضرور ہیں، مگر آئین محبت سے بے خبر، رسم وفا سے ناآشنا اور رموز تلطف سے قطعی بیگانہ۔
ہم انہیں چاہتے ہیں ان کی جستجو کرتے ہیں۔ انہیں محبت بھری نگاہوں سے پہروں دیکھتے ہیں ہم انکی طرف دوڑتے ہیں۔ لیکن یہ اپنے مقامات سے جنبش نہیں کرتے اور ان سے کوئی ایک بات بھی ایسی سرزد نہیں ہوتی جس میں یہ شائبہ بھی ہو کہ انہیں ہمارا خیال ہے ہم بیتاب ہیں یہ بیگانہ۔ ہم بات کرنا چاہتے ہیں، یہ خموش۔
بات یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں اپنی لطافتوں اور بلندیوں میں اس قدر ڈوبی ہوئی ہیں کہ انہیں ہمارے وجود کا علم ہی نہیں ہوتا۔
دور کیوں جاؤ، خود اپنے ہمجنس انسان کو دیکھو، اگر وہ خوبصورت ہے، اگر اس کی پیشانی میں چمک اور اُس کے عارض میں ندرت ہے تو وہ کبھی بخندہ پیشانی ہم سے پیش نہ آئے گا، یہ ہزاروں مرتبہ کے تجربہ کی بات ہے کہ مہ دمہر سے بہتر رخسار رکھنے والا آنکھوں میں مروت نہیں رکھتا۔
بات یہ ہے کہ "حسن" معمولی سطح سے بہت بلند ہے، وہ اعلیٰ ہے اور ہمہ تن نور ہے، ہم سے کہ پست تاریک ہیں ملتفت ہو نہیں سکتا، اسکے علاوہ "حسن" کو ہماری ضرورت نہیں، اور ظاہر ہے کہ جس شے کی ضرورت نہیں ہوتی اُس سے محبت کیسی! مگر اے سرد جلوے والے حسن کے صانع! اے وہ کہ تیرا ایک دھندلا سا عکس شمس و قمر کی پیشانیاں روشن کئے ہوتے ہے۔ آخر تو کیوں بیگانہ و سرد مہر نہیں؟
جب یہ ایک امر مسلم ہے کہ حسن کی فطرت میں ظلم و جفا ہے تو تیری ذات جو سب سے زیادہ حسین و لطیف ہے اس قانون سے کس طرح مستثنےٰ ہوگی، تجھے تو سب سے زیادہ جفا شعار ہونا چاہیئے تھا۔

سنتے ہیں جب کوئی تیری طرف نظر اٹھاتا ہے تو چند قدم بڑھ آتا ہے، اور جب کوئی تیری جانب چند قدم اٹھاتا ہے تو آکر اُس سے ملجاتا ہے، اور اس طرح کہ پھر یہ امتیاز باقی نہیں رہتا کہ طالب کون ہے اور مطلوب کون!!

## دُعا

ایک مجسم سوز وگداز دیوی، آدھی رات کی مالک۔ پچھلے پہر کی فرمانروا ٹوٹے ہوئے دلوں کی روشنی، تہ و بالا سینوں کے ساتھ بلندیوں کی طرف غور سے دیکھ رہی ہے۔ زلفیں بے ترتیبی کے ساتھ شانوں پر بکھری ہوئی ہیں۔ ایک ہاتھ آسمان کی طرف بلند ہے، دوسرا ایک معصوم بچے کی اُنگلیوں کو گرفت میں لئے ہوئے ہے۔ ۔ ۔ ۔

یکایک بچہ اُس کی طرف دیکھتا ہے اور اُسکا نازک دل "دعا" کے سینہ میں جاکر دھڑکنے لگتا ہے۔

دعا آسمانوں کی طرف دیکھکر ایک ایسی "آہ" بھرتی ہے کہ قدم زمین سے اُٹھ جاتے ہیں اور جسم ہوا پر اڑنے لگتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ آسمان یہ دیکھ کر کانپنے لگتا ہے۔ کانپتے کانپتے ایک جگہ سے شق ہو کر ایک تجلی زار دریچہ ظاہر کرتا ہے۔ جسکے اندر "قضا و قدر" کا مطرب استقبالی ترانہ بلند کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ۔ ۔ ۔"

"دُعا" اس دریچہ میں ڈوب جاتی ہے۔ ۔ ۔ ۔" اور "مطرب قضا و قدر" کی قوت نغمہ وساز کو اپنی دردبھری صداؤں سے کچھ اس طرح گھیر لیتی ہے کہ اُسکے باجوں سے "دعا" ہی کی آواز نکلنے لگتی ہے!! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

## رحمت

جنت کے ایک بلند چشمہ کے قریب، پھولوں کے بستر پر ایک نازنین محوِ خواب ہے۔ ۔ ۔ ۔ الوان و افکار سے گنگا جمنی تار آئے ہیں اور اُس کے سینہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

یہ تار تمام انسانوں کے دلوں سے وابستہ ہیں اور ان تاروں کے سلسلہ میں ایک عالم کے دلوں کا اس سے رشتہ ہے جب مصائب کی شدت سے کسی کا دل دھڑکنے لگتا ہے تار جو اُس کے دل میں ہے جنبش میں آجاتا ہے تار ہلتے ہی رحمت کا سینہ کانپنے لگتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وہ گھبرا کر اُٹھتی ہے . . . . اور چشم زدن میں مصیبت زدہ تک پہنچکر اپنی زلفیں اس کے شانوں پر کچھ اس طرح پریشان کر دیتی ہے کہ وہ ایک عجیب سکون محسوس کرتا ہے اور پلک مارتے ہی میٹھی نیند سو جاتا ہے۔

## سازش

ایک ناجائز طور سے حاملہ عورت بچہرہ وحشتناک اختلاج میں غرق حمل پوشیدہ رکھنے کے خبط میں دیوانی . . . ہر چند بشاش بننا چاہتی ہے۔ مگر رگ رگ میں اترا ہوا خوف پژمردہ ہی رکھتا ہے اور دھڑکتا ہوا دل مطمئن ہونے نہیں دیتا۔

وہ ایک مطلق خاموشی ایک کامل سناٹے کی جویا رہتی ہے۔ اُس کی روح تاریک گوشوں اور پوشیدگیوں سے لبریز خلوتوں کی تشنہ رہتی ہے۔

ہر صدا، خواہ وہ نغمۂ شادی ہی کیوں نہ ہو اُسے اس قدر پریشان کر دیتی ہے جس طرح دیہاتی چوکیداروں کی بھیانک اور گرجتی ہوئی آوازیں آدھی رات کے وقت شیر خوار بچوں کو، روز روشن اُسے اس طرح ڈراؤنا معلوم ہوتا ہے جیسا بھوتوں کے قائل کو بھری برسات کی سیاہ رات میں "گھنا جنگل"

رفتہ رفتہ اسکا خوف اس درجہ ترقی کر جاتا ہے کہ ایک شب جبکہ وہ خیالات میں غرق اپنے بستر پر لیٹی ہوئی ہے کہ اُسے دفعتاً "کھانسی" آتی ہے، کھانسی آتے ہی اُس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور یہ خیال کر کے کہ محلہ میں اُس کی آواز سن لی گئی۔ ایک چیخ مارتی ہے اور بیہوش ہو جاتی ہے . . . .

## محبّت

جھٹپٹا وقت ہے، سانولی صورت والی ملکہ (شام) دراز زلفوں کے ساتھ آبنوس کے تخت پر جلوہ افروز ہے۔

دن کا شور بالین سکوت پر سر رکھ چکا ہے، خاموشی کے فرمان جاری ہو چکے ہیں، ہر چیز آرام کا "تصوّر" کر رہی ہے اور ہر شے سے ایک التجائے غنودگی "ٹپکتی ہے"۔ دریا ٹھہر ٹھہر کر بہ رہے ہیں، ہوا آہستہ آہستہ چل رہی ہے جس سے دل میں ایک گداز پیدا ہوتا ہے مغرب کی طرف شفق نے سنہری وادیاں، زریں پہاڑ اور گنگا جمنی دریا بنائے ہیں منجمد

حجر تاریکی میں لپٹے ہوئے خاموش کھڑے ہیں.... گویا کچھ سوچ رہے ہیں.....
اِس عالم سکون و خاموشی میں ایک نہایت قبول صورت پاک نفس لڑکی آبادی سے منزلوں دُور ببولوں کی گھنیری چھاؤں میں، دریا کے کنارے پاؤں لٹکائے خاموش بیٹھی ہے۔ لباس ماتمی ہے۔ سر جھکا ہوا ہے۔
رُک رُک کر بہنے والی ندی اُسے درد بھرے راگ سنا رہی ہے، موجیں آہستہ آہستہ آتی ہیں اور اس غریب کے قدم چوم چوم کر کراہتی ہوئی گذر جاتی ہیں۔
"محبت" ہوا کے ہر نرم جھونکے پر آہ سرد کھینچتی ہے...... اور چپ ہو جاتی ہے اور کراہتی ہوئی لہریں اپنے گرم آنسوؤں کے چند قطرے ٹپکا دیتی ہے...." یہاں تک کہ آدھی رات آجاتی ہے۔
آخر کار روتے روتے یہ ناتجربہ کار لڑکی دریا میں کود پڑتی ہے...." اور ڈوب کر ایک ایسا سمندر بن جاتی ہے جو قیامت کے بعد بھی خشک نہیں ہو سکتا۔ جس کی ہر لہر ایک آہ اور ہر حباب ایک دھڑکتا ہوا دل ہو جاتا ہے"...

# جوانی

بادلوں سے لدی ہوئی طوفانی رات میں ایک بدمست ملکہ کڑک اور چمک کی باگیں ہاتھ میں لئے بجلی کے خزانوں کا معائنہ کر رہی ہے۔
زلزلے آ آ کر قدم چومتے ہیں۔ آندھیاں اُٹھ اُٹھ کر سر پر چنور کرتی ہیں، چھالوں کی ٹیک تلووں سے آنکھیں ملتی ہے درد کی چمک راستہ دکھاتی ہے، خمار آنکھیں بند کئے ساتھ ساتھ ہے۔ مدہوشی جلو میں۔
دورانِ رفتار میں اگر پہاڑ پر قدم رکھتی ہے پہاڑ پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ اگر فولاد پاؤں سے مس ہو جاتا ہے تیزاب ہو کر اُبلنے لگتا ہے اگو آنکھیں بند ہیں پھر بھی بجلی کی رفتار سے منزلیں طے کر رہی ہے۔

# خوشامد

جھوٹے موتیوں کا ایک نہایت چمکتا ہوا ہار ہے جسے خوشنما الفاظ پیش کرتے ہیں۔ جو سچا ہار سمجھ کر پہن لیتا ہے اُس کا دم گھٹنے لگتا ہے، عرق انفعال پیشانی سے ٹپک ٹپک کر سر پہ سہرا باندھتا ہے اور خونچکاں آنسو پھول برساتے ہیں!!

# عابدِ شب زندہ دار

عابدِ شب زندہ دار نے آدھی رات گذرتے ہی اپنی آنسوؤں سے لبریز آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں . . . اور نگاہیں فضا میں پیوست ہو گئیں . . . . شاہدِ بزمِ حقیقت کی محفل کے پردے جنبش میں آ گئے۔

رات گذرتی رہی . . . شب زندہ دار کا دل ہلا گیا . . . اور آنکھیں بلندیوں کی طرف جمی رہیں . . .

صبحِ کاذب آ گئی . . . . . . تاروں میں لرزہ پیدا ہوا ، چاند ڈوبنے لگا . . . . . . '

طالبِ دیدار کی اضطراب اور گہری ہوئی . دور تک پہنچی یہاں تک کہ صبح صادق ہنستی ہوئی آئی . . .

اور اس کے آتے ہی جتنے پردے تھے سب یکبارگی اٹھ گئے . . . .

صرف ایک نہایت باریک سا ریشمی پردہ باقی رہ گیا . . . -

حُسنِ حقیقی فضا کو چاک کرتا ہوا آیا اور رونے والے کے آنسوؤں میں جھلکنے لگا . . . . . .

# "حُسن" کیا ہے ؟

انسانی پیکر میں جلوۂ دوست کی جھلک ، فانی پنکھڑی پر سرمدی نقاشی ، تاریک گرہ پر قندیلِ حقیقت کی چھوٹ ، صحرائے ہستی کے ریشوں میں روحانی نغمہ ،

پہاڑوں کو پگھلا دینے والی لَو ، روحوں کو تڑپا دینے والا جذبہ ، فولاد کو پانی کر کے بہا دینے والی حرارت سکون کو اضطراب سے بدل دینے والا پرتو ۔

چلتی ہوئی تلوار ، لپکتا ہوا کوندا ، بھڑکتا ہوا شعلہ ، تڑپتی ہوئی بجلی . . . . . .

# حُسن کا دُوسرا رُخ

کون کہتا ہے "حسن ایک ملائم شے ہے، ایک نازک پنکھڑی ہے"؟

کون مدعی ہے کہ "حسن دل خوش کن اور مسرت بخش ہے"؟

کس کا قول ہے کہ "حُسن سراسر تفریح اور ہمہ تن سرور ہے"

یہ دعویٰ غلط !! اور کس قدر غلط !!!

جب میں آراستہ بازاروں کی سیر میں مصروف ہوتا ہوں، جب میں شاداب باغوں میں تفریح کرتا ہوں، جب میں ریلوے اسٹیشن پر ٹہلتا ہوں، جب میں صبح کو دریا کے کنارے کنارے دور تک نکل جاتا ہوں ...... تو میں بہت بشاش ہوتا ہوں، میری ہستی مسرت سے لبریز ہوتی ہے، میری آنکھیں صاف ہوا سے روشن ہوتی ہیں اور میں اُس وقت بہت مطمئن ہوتا ہوں ...... کہ یکایک اس تفریح و مسرت کا قاتل، اُس لطف و سکون کا دشمن، ایک "خوبصورت" چہرہ نظر آتا ہے، .....

جس پر نگاہ پڑتے ہی میرا تمام اطمینان "اضطراب" سے بدل جاتا ہے میرا منضبط نظامِ تنفس ٹھنڈی سانسوں میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور میرا ٹھہرا ہوا دل تہ و بالا ہو جاتا ہے۔ ہوا اس کے رخساروں کو چھوتی ہوئی آتی ہے۔ اور میری روح کو درد سے معمور کر دیتی ہے، اور کوئی شے میری تپلیوں کو تراشتی ہوئی دل کے اندر اُتر جاتی ہے ....

کیا اسی کا نام "نرمی و تفریح" ہے؟

# عِشق

محبت کے طوفانی سمندر کی سب سے اونچی موج، سوز و گداز کی نے کا سب سے بلند نغمہ، خارستانِ اضطراب و کشمکش کا سب سے بڑا کانٹا، چھالوں کی تپک کا جوہر، سوز و گداز کی رُوح، سوزش و شورش کا ست۔

جنون کے ارگن کا گرجتا ہوا نالہ۔ زہر ہلاہل کا چھلکتا ہوا پیالہ۔

تکلیف میں جہنم کے ساتویں طبقہ کا "صدر آتشدان"

راحت میں فردوس بریں کا بہترین چشمہ۔

کتاب فنا کا پہلا ورق۔ دفتر حیات ابدی کا آخری باب،

خودداریاں سلب کرنے والا آلہ، نظام ہستی بدل دینے والا انقلاب، پہاڑ اڑا دینے والی بارود، دل و دماغ کو تلاطم میں لانے والا زلزلہ، فراغت کی مشت خاک کو اڑا دینے والی آندھی، دنیائے عافیت کی وبا صحرائے امن کا رہزن، بحر غم کا سفید طوفانی کف۔ محشرستان آرزو کا شاہد حقیقی، دنیائے تمنا کا فرمانروا، آسمانوں پر چڑھا دینے والا زینہ، قبروں میں اتار دینے والا رعشہ۔ استقلال کا حاکم۔ دربار حسن کا گدا۔

دل کا غنی، بات کا دھنی، قول کا پورا، دھن کا پکا، ارادوں کا مضبوط۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ روحانی اثرات کی بہترین تشریح "حسن کے سوال کا پورا پورا جواب۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

## صداقت

"گلے میں فردوس کے پھولوں کا ہار ڈالے تنفس سے فضا کو گلستاں کئے ہوئے "زندہ کلام کی مالک"

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک حور، بلور کے شفاف تخت پر سادگی کے ساتھ، نیچرل طریقہ سے، بے جھجک بیٹھی ہے

چہرہ سے دلیری، خلوص، اور صفائی ٹپک رہی ہے، عارض نور باطن سے درخشاں ہیں۔ تخت میں نہ جواہر جڑے ہیں نہ موتی۔ لباس فاخرہ ہے، نہ زریں، سامان پر تکلف ہے نہ نمائشی۔

ہر شے صاف اجلی اور سادہ۔ ہر چیز مناسب درست اور دلکش۔

پیشانی شکنوں سے پاک۔ زبان لڑکھڑاتی آواز میں گفتگو کرنے سے نابلد۔ چہرہ شرمندگی کے اثرات سے اجنبی۔ لب کانوں میں باتیں کرنے سے ناآشنا۔

جب "صداقت" باتیں کرنے کے لئے لبوں کو جنبش دیتی ہے، رحمت کے فرشتے اُڑتے ہوئے آتے ہیں اور پروں سے اُس کے سر پر سایہ کر لیتے ہیں۔ اور جب متبسم ہوتی ہے۔ جنت کے پھول کھل جاتے ہیں۔۔۔

# قناعت

غیور، خاموش، متدین، خود دار، مطمئن اور خوبصورت شاہزادی، چہرہ اطمینان کلّی کا مرکز، دل فراغت تامہ کا سرمایۂ ناز، پیشانی طمانیت خاطر کا سرچشمہ.......

"جبیں" کی سادگی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مجھ پر "حرص" کی شکن کبھی نہیں پڑی، چہرہ کے خط و خال باوازِ بلند بیان کر رہے ہیں کہ ہم میں شکلیں مسخ کر دینے والی "طمع کا منحوس پرتو کبھی نہیں اُترا"

مٹھیاں بند ہیں، گویا مُسکرا مُسکرا کر ظاہر کر رہی ہیں کہ "ان ہاتھوں پر "دستِ سوال" کا اطلاق کبھی نہیں ہوا...
سامنے کچھ مٹی کے برتن رکھے ہیں......... اور پشت کی طرف جواہرات سے آراستہ سونے کے ظروف......

قناعت اپنے "مٹی" ہی کے برتنوں میں اس قدر مستغرق ہے کہ سونے کے ظروف مڑ کر بھی نہیں دیکھتی۔

# امید

بحرِ ہستی جمنے لگا تھا۔ ساحل اُداس ہو گیا تھا۔ موجیں بلند ہونے سے مایوس ہو گئی تھیں۔ لہریں بے حس پڑے پڑے سو گئی تھیں۔ کائی نے اپنی چادر اُڑھا دی تھی.................."

کہ یکایک لبِ ساحل ایک عیسیٰ نفس خاتون متبسم چہرہ کے ساتھ آئی اور ٹہلنے لگی..........."

تبسم کی ضیا بجلی بن کر دوڑی، کائی میں آہستہ آہستہ لرزہ پیدا ہوا........ "اُمید" اور قریب آئی، کائی دفعتاً پاش پاش ہو گئی۔ دھارے نے کروٹ بدلی۔ لہریں جاگ اٹھیں۔ دریا کے سینے نے سانس لی۔ حبابوں نے

آنکھیں کھولیں۔
زلفوں کے عکس نے سطحِ آب پر زندگی کی لہر دوڑا دی ...... دھارے نے سر اٹھایا ......
گنگناتا ہوا "امید" کے قدموں کے پاس آیا اور لعل اُگلنے لگا ....

## طلسم تخیل

جھکے ہوئے تاروں سے ایک روشنی چلی، فضا کو جلاتی ہوئی آئی اور میرے سینے میں جذب ہوگئی ....
صبح ہوتے ہی وہ روشنی میرے سینے سے باہر آئی، بلند ہوئی اور آفتاب کی کرنوں میں پیوست ہوگئی .... کرنوں سے چلی اور دریا کی لہروں میں نہانے لگی ...... دریا سے باہر آئی باغ میں گئی، اور نازک نازک کلیوں میں چھپ گئی۔ کلیاں مسکرانے لگیں ........
کلیوں کو چٹکاتی ہوئی پھر میرے نزدیک آئی اور میری روح کو آہستہ سے چھو کر تمام کائنات میں پھیل گئی ..........
اس تماشے نے ثابت کر دیا کہ مجھ میں اور مظاہرِ قدرت میں صرف ایک ہی روح ہے جو دورہ کیا کرتی ہے۔ میں کائنات میں جذب ہوں اور کائنات مجھ میں۔
یہ عجیب بات ہے کہ کشتی دریا میں غرق ہے اور دریا کشتی میں ڈوبا ہوا ہے !!

## نوجوان بیوہ اور طویل رات

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے + مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
نصف شب آتے ہی بیوہ کا ٹوٹا ہوا دل دھڑکنے لگا ........ آنسو آنکھوں میں بھر آئے اور برسنے لگے۔